سیر الصحابیات
مع
اسوۂ صحابیات
اسلامی کتب خانہ لاہور

فَالصّٰلِحَاتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

بسلسله .... سیر الصحابہؓ

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہراتؓ، بناتِ طاہراتؓ اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانح زندگی اور اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

از

جناب مولانا سعید انصاری

سابق رفیق دار المصنفین

بمعہ رسالہ

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

سید سلیمان ندوی

ناشر

فضل الٰہی مارکیٹ

چوک اُردو بازار لاہور

فون : 042 - 7223506

نام کتاب .... سیر صحابیاتؓ معہ اسوۂ صحابیاتؓ

ناشر .... اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار لاہور

طابع .... ممتاز احمد

مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

قیمت .... /۔ روپے

فہرست مضامین

سیر الصحابیات رضی اللہ عنہن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴾ (جمعه)

اسلام کا مقصد واحد، تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شہنشاہی میں پست و بلند، شاہ و گدا، امیر و غریب، وضیع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے اس نے اپنی تعلیمات، احکام اور قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا، جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اہل اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتے ہیں۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھا، مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن کے چمن آراء تھے، لیکن ان میں صنف نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا، اسلام آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا، اس لیے جب اس کے باغ تمدن کی بہار آئی تو ایک نیا رنگ و بو پیدا ہو گیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے۔ مشرق میں عورت مرد کے دامن تقدس کا داغ ہے، روما اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ یونان اس کو شیطان کہتا ہے۔ تورات اس کو لعنت ابدی کا مستحق قرار دیتی ہے۔ کلیسا اس کو باغ انسانیت کا کانٹا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے۔ لیکن اسلام کا

نقطۂ نظر ان سب سے جداگانہ ہے، وہاں عورت نسیمِ اخلاق کی نکہت اور چہرۂ انسانیت کا غازہ سمجھی جاتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی۔ لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔[1] عرب جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر:

یاانجشه! رویدك بالقواریر.

''انجشہ! دیکھنا یہ آبگینے ہیں''۔

غور کرو تو تم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے، بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دے کر مکمل انسانیت قرار دیا، صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

الرجل راع علی اهله وهو مسئول والمراة راعیة علی بیت زوجها وهی مسئولة. (ج ۲ ص ۷۸۳)

''مرد اپنے اہل کا راعی بنایا گیا ہے اور اس سے ان کے متعلق جواب طلب ہوگا اور عورت شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی''۔

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے:

لیس تملکون منهن شیئاً غیر ذلك الا ان یاتین بفاحشة مبینة.

''تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں''۔

اس بنا پر اسلام میں عورت کی جو منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۶۹۔

مذاہب سے بالکل مختلف تھی' تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس افسانہائے پارینہ میں صنف نازک کی سعی وکوشش کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعتاً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر وغرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا یونان بلا شبہ اپنی ''ربات النوع'' کو پیش کرسکتا ہے۔ ہندوستان متعدد عصمت وعفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے۔ یورپ کا ''گولڈن ڈیڈس'' چند جنگ آزما عورتوں کو منظر عام پر لا سکتا ہے۔ لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدن کا قدم ایک انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ اس کے اوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں' مصر اس سلسلہ میں آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم کو پیش کرے گا۔ تورات مریم اخت ہارون کو آگے بڑھائے گی۔ ناصرہ مریم عذرا علیہا السلام کو سامنے لائے گا۔ ان خاتونوں کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلم ہے لیکن کیا ان مقدس اور پاک خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنار عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے۔ اس لیے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے' جو صحابیات سے متعلق ہیں' کیونکہ یہ صنف نازک کا پہلا قدم تھا' جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیات رضی اللہ عنہن کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں۔ اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔

مذہبی کارنامے:

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے جس جوش' جس خلوص' جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس

کی نظیر مشکل سے مل سکے گی' غزوۂ احد میں جب کہ کافروں نے حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں' اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں' ابن قمیہ جب دوڑتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر روکا' چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے تلوار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی۔[1] جنگ مسیلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔[2]

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا' اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے'[3] غزوۂ حنین میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا خنجر لے کر نکلنا ایک مشہور بات ہے۔[4]

جنگ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ' حضرت ام ابانؓ' ام حکیمؓ' خولہؓ' ہندؓ' اور ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماءؓ بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں' خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا تھا۔[5]

نہ صرف بری بلکہ بحری لڑائیوں میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن شرکت کرتی تھیں ۲۸ھ میں جزیرہ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرام اس میں شامل ہوئیں۔[6]

میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیات رضی اللہ عنہن اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں'

❶ پلانا ❷ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا ❸ مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے جانا ❹ چرخہ کاتنا ❺ تیر کر دینا ❻ خورد و نوش کا انتظام کرنا' پکانا ❼ قبر کھودنا ❽ فوج کو ہمت دلانا۔

---

۱ ابن ہشام ص ۸۴۔ ۲ ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴۔ ۳ زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹۔
۴ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳۔ ۵ اصابہ ج ۸ ص ۱۳۔ ۶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ، ام سلیمؓ، ام سلیطؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا۔ (صحیح بخاری)

ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور اس مقصد کے لیے وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں[1]، ربیع بنت معوذؓ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا[2]، ام الشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ تیر اٹھا کر لاتی اور ستو پلاتی تھیں[3]، حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہؓ کے لیے کھانا پکایا تھا۔[4] اغوات اور امارث وغیرہ جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئیں، عورتوں اور بچوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی[5]، اور جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا میمنہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گیا تو ہندؓ اور خولہؓ وغیرہ نے پرجوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی۔[6]

اشاعت اسلام بھی مذہب کی ایک بڑی خدمت ہے اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی دعوت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔[7] ام سلیم کی ترغیب سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آستانۂ اسلام پر سر جھکایا تھا۔[8] عکرمہؓ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے[9]، اور ام شریک دوسیہ کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا، جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں۔[10]

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا ہے۔ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور نظام مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز

---

[1] ابوداؤد ج ا ص ۲۵۲۔ [2] بخاری کتاب الطب ہل یداوی الرجل المراۃ۔ [3] ابوداؤد ج ا ص ۲۷۰۔
[4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۔ [5] طبری ج ۶ ص ۲۳۱۷۔ [6] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳۔
[7] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۹۔ [8] اصابہ ج ۸ ص ۱۰۶۔ [9] مسند۔ [10] موطا امام مالک کتاب النکاح۔

بلند کی، جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا اور سعدہ بنت قمامہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں، ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں،[۱] (عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

سیاسی کارنامے:

صحابیات رضی اللہ عنہن نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں، چنانچہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو تحسین کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے،[۲] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔[۳]

ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صیفی نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی،[۴] چنانچہ آپ خواب گاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[۵]

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے امان کو برقرار رکھ سکتا ہے، سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانہ میں ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں، ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[۶]

---

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴۔ [۲] کتاب الام امام شافعی ج ا ص ۱۴۵ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۷۴، ۴۸۹۔

[۳] ایضاً ص ۴۸۷۔ [۴] اصابہ ج ۸ ص ۳۲۔ [۵] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵۔ [۶] ابوداؤد جلد ا ص ۲۷۴۔

قد اجرنا من اجرت و امنا من امنت.

''تم نے جس کو پناہ دی ہم نے بھی دی''۔

علمی کارنامے:

اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن کمال رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا[1] ہند بنت اسیدؓ، ام ہشامؓ بنت حارثہ، رائطہؓ بنت حیان اور ام سعد بنت سعد ابن ربیع بعض حصوں کی حافظ تھیں، ام سعد قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں[2]

تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خاص کمال تھا، چنانچہ صحیح مسلم کے آخر میں ان کی تفسیر کا معتد بہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں،[3] حضرت عائشہ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، ام ہانی اور فاطمہؓ بنت قیس بھی کثیر الروایہ گزری ہیں۔

فقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتاوے اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔[4] حضرت ام سلمہؓ کے فتاوے سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ حضرت صفیہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، فاطمہ زہراؓ، ام شریکؓ، ام عطیہؓ، اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، لیلیٰؓ بنت قائف، خولاؓ بنت تویت، ام الدرداؓ، عاتکہؓ بنت زید، سہلہ بنت سہیل، فاطمہؓ بنت قیس، زینبؓ بنت جحش، ام سلمہؓ، ام ایمنؓ، ام یوسفؓ، ام سلمہؓ کے فتاوے ایک مختصر رسالہ میں جمع کیے جا سکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص مہارت تھی، اور بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سے فرائض کے متعلق دریافت کرتے تھے۔[5]

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶۔ [3] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶۔

[4] اعلام الموقعین ابن قیم ج ۱ ص ۱۳۔ [5] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶۲۔

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن دستگاہ رکھتی تھیں مثلاً علم اسرار میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پوری واقفیت تھی[۱] خطابت میں اسماء بنت سکن کا خاص شہرہ تھا۔[۲] تعبیر میں اسماء بنت عمیس مشہور تھیں۔[۳]

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہؓ، ام مطاعؓ، ام کبشہؓ، حمنہ بنت جحش، معاذہؓ، لیلیٰ امیمہؓ، ام زیادؓ، ربیع بنت معوذؓ، ام عطیہؓ، ام سلیم کو زیادہ مہارت تھی، رفیدہ کا خیمہ جس میں جراح خانہ بھی تھا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔[۴]

شاعری میں خنساء، سعدیؓ، صفیہؓ، عاتکہؓ، امامہ مریدیہؓ، ہند بنت حارث، زینب بنت عوام ارویؓ، عاتکہؓ بنت زید، ہند بنت اثاثہ، ام ایمنؓ، قتیلہ عبدیہ، کبشہ بنت رافع، میمونہ بلویہؓ، نعم، رقیہ زیادہ نامور ہیں، خنسا رضی اللہ عنہا کا جواب آج تک عورتوں میں پیدا نہیں ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔

عملی کارنامے:

اس سے مراد صنعت وحرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحت، کتابت، تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں۔ اسد الغابہ اور مسند احمد بن حنبل کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات رضی اللہ عنہن عموماً کپڑا بنا کرتی تھیں، جو ان کو اور ان کی اولاد کو کافی ہوتا تھا۔[۵]

کاشتکاری تمام صحابیات رضی اللہ عنہن نہیں کرتی تھیں، بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں، مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مشغلہ تھا۔[۶]

لکھنا بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن جانتی تھیں، چنانچہ شفاءؓ بنت عبداللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے۔ جنہوں نے ایام جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ شفاءؓ کے علاوہ حضرت حفصہ ام کلثوم بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں۔

---

۱ مسند۔ ۲ اصابہ ج ۸ ص ۱۲۔ ۳ اصابہ ج ۸ ص ۹۔ ۴ ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳۔

۵ اسد الغابہ ج ۵ ص ۹۸ و مسند ج ۵ ص ۱۶۶۔ اصابہ ج ۸ ص ۶۱۔ ۶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا۔ لیکن لکھنا نہیں آتا تھا[۱]

صحابیات رضی اللہ عنہن میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی[۲] خولاؓ، ملیکہؓ ثقفیہ اور بنت مخربیہ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔[۳] سینا عام تھا' چنانچہ فاطمہ بنت شیبہ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں انصار کی لڑکیاں گیت گالیتی تھیں' بلکہ کبھی کبھی شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ... نے بھی اشعار گائے ہیں' اور فریعہ بنت معوذؓ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے ... م ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی' مدینہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام ارنب تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے' ارنب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اصابہ میں آیا ہے۔[۴]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا لحن کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔[۵]

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات رضی اللہ عنہن اور کام بھی جانتی تھیں' مثلاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائف کی کھالیں درست کرتی اور ان کو دباغت دیتی تھیں'[۶] حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی دستکار تھیں۔[۷] اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔

انتخاب و ترتیب:

یہ کتاب صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آخری جلد ہے' صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں اگرچہ بعض کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی' جو ناپید ہے۔[۸] اس کے علاوہ

---

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶۔ ۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷' ۴۷۸۔ ۳ اصابہ ج ۸ ۶۱۸۔
۴ اسد الغابہ ج ۸ ص ۴۔ ۵ مسند ج ۶ ص ۳۰۰' ۳۰۲۔ ۶ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۰۔
۷ ایضاً ص ۴۶۵۔ ۸ ایضاً ص ۴۷۲۔

علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا' چنانچہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ ابونعیم (متوفی ۴۰۳ھ) قاضی ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) اور ابوموسیٰ اصفہانی (المتوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب کا نام استیعاب ہے۔ اس میں ۳۹۸ صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات ہیں' جن میں مکررات ہیں' اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہ کا استقصاء کر لیا تھا۔ حالانکہ اگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے' طبقات الصحابہؓ میں جو محمد بن سعد زہری کاتب واقدی کی تصنیف ہے اور تیسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے۔ ۶۲۷ عورتوں کے حالات ہیں۔ جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں' ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے بعد علامہ اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عورتوں کے حالات کا ایک مخصوص حصہ کیا' اس میں ۱۰۲۲ صحابیات کے نام ہیں' جن میں مکررات کے علاوہ ۶۷ مجہول عورتیں بھی ہیں۔

نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو نہایت ضخیم کتابیں لکھیں' تہذیب التہذیب اور اصابہ فی تمیز الصحابہ' تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے۔ جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں' ان میں مکرر نام بھی آ گئے ہیں' اور تابعیات کے حالات بھی' البتہ اصابہ کی اٹھویں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اس میں مکررات بھی ہیں اور کنیتیں بھی' اصابہ میں صحابیات رضی اللہ عنہن کی سب سے بڑی تعداد میں مذکور ہے۔[1]

تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں:

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد محض ناموں کا استقصاء

---

[1] یہ تعداد تخمینی ہے۔

ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں، ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے۔

(۲) کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں، جن کے حالات دوسرے طریقوں سے بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو بر سبیل تذکرہ کسی حدیث میں آ گئے ہیں۔

(۳) بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہو سکا۔

(۴) کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً امراءۃ (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں، اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا۔

(۵) عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھے جاتے ہیں ان کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں، جس سے تکرار پیدا ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں، البتہ طبقات ابن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے، وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے، پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں، پھوپھیوں، ان کی لڑکیوں اور ازواج مطہرات کے تراجم ہیں، پھر قریش اور عام مہاجرات رضی اللہ عنہن کا تذکرہ ہے، اس کے بعد انصاریات رضی اللہ عنہن کے حالات ہیں، جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواج مطہرات وغیرہ سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیات سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا، لیکن موجود زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں۔ نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو نئے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا، اس بنا پر ہم نے کتب اسماء الرجال کے ساتھ صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا،

اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، ہم نے ان کی بجائے مذہبی، سیاسی، علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی، اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں، جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں، یہ وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیات رضی اللہ عنہن کی تعداد کو گھٹا دیا، جس سے ہمارا دائرہ انتخاب بھی محدود ہو گیا۔

اس کتاب میں ۴۵ صحابیات رضی اللہ عنہن کی سوانح عمریاں ہیں، جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں، اور اس بنا پر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کی بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے۔ جس میں ان کے محاسن کمال کا ایک ایک خال وخط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مدنظر رکھی گئی ہے، اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے، اسی بنا پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں، اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں قارئین کو صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں، اس لیے یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ کتاب تذکرۂ تراجم کی ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آ جائے، مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح اس کا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لیے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔

قارئین کی سہولت کے لیے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فروگزاشتیں ہوگئی ہوں، لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا ہے۔

وقد قال الله تعالیٰ: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾

سعید انصاری
دار المصنفین اعظم گڑھ
۵ محرم صفر ۱۳۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

دارالمصنفین نے سیر الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے، اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا، اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے:

(۱) مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

(۲) مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم سابق صدر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔

(۳) مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی۔

(۴) مولانا سعید انصاری صاحب۔

یہ سیر الصحابیات رضی اللہ عنہن آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی، اور اب دوبارہ شائع کی جارہی ہے، اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا اویس صاحب نگرامی ندوی نے نظر ثانی کی ہے۔ حوالوں کی تصحیح، بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے، جس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں، امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لیے

خیر جاری ثابت ہوگی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لیے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں، لیکن اگر ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری، خدا ترسی، پاکیزگی، عفت اور اصلاح وتقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا اور آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

۱۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خدیجہ نام، ام ہند کنیت، طاہرہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے:

خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا، اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے۔ مکہ آ کر اقامت کی، عبدالدار بن قصیٰ کے جو ان کے ابن عم تھے، حلیف بنے اور یہیں سے فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی، جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔[۱] سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔[۲]

نکاح:

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لیے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی اور ابو ہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح ہو گیا۔[۳]

ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ لڑائی کے لیے نکلے اور مارے گئے۔[۴] یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔[۵]

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸ و ۱۰۔ ۲ اصابہ ج ۸ ص ۶۰۔ ۳ استیعاب ج ۲ ص ۳۷۸۔ ۴ طبقات ج ۸ ص ۹۔ ۵ ایضاً ص ۸۱ ج ۱ ق ۱۔

تجارت:

باپ اور شوہر کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سخت دقت واقع ہوئی، ذریعہ معاش تجارت تھی، جس کا کوئی نگران نہ تھا، تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں، ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے جا کر ملنا چاہیے، ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے، میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے لیے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ''امین'' کے لقب سے تمام اہل مکہ میں تھی اور آپ کے حسن معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ ''آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور مال تجارت لے کر میسرہ (غلام خدیجہ رضی اللہ عنہا) کے ہمراہ بصریٰ تشریف لے گئے، اس سال کا نفع سالہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آتی ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت وثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا، لیکن کارکنان قضا و قدر کی نگاہ انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کا پیغام بھیجا، نفیسہ بنت منیہ (یعلی بن امیہ کی ہمشیرہ) اس خدمت پر مقرر ہوئی، آپ نے منظور فرمایا،[2] اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں، اسی بنا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے۔

---

[1] طبقات ج ۱ ص ۸۱۔ [2] ایضاً ص ۸۴۔

تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورے سے ۵۰۰ طلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا طاہرہ حرم نبوت ہو کر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے[1]

اسلام:

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کرسکتا تھا، صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اور وہ یہ ہے:

عن عائشة انها قالت اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحى الرؤيا الصالحة فى النوم فكان لا يرىٰ رويا الاجاء ت مثل فلق الصبح، ثم حبب اليه الخلاء و كان يخلوا بغار حراء فيتحنث فيه وهو التعبد الليالى ذوات العدد قبل ان ينزع الىٰ خديجة ويتزود لذلك ثم يرجع الىٰ خديجةؓ . فيتزود لمثلها حتى جآء الحق وهو غار حراء فجاء ه الملك فقال اقرء فقلت ماانا بقارئ قال فاخذنى فغطنى حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال اقرا فقلت ما انا بقارى فاخذنى فغطى الثانية حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال اقراء فقلت ما انا بقارى قال فاخذنى فغطنى الثالثة ثم ارسلنى فقال اقرء باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق اقرء وربك الاكرم،فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۶۰۔

فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسی فقالت خديجة. كلا و الله ما يخزيك الله ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضيف و تعين على نوائب الحق فانطلقت به خديجة حتی اتت به ورقه بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی ابن عم خديجة و كان امرأ تنصر فی الجاهلية و كان يكتب الكتاب العبرانی فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب و كان شيخا كبيرا قد عمی فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك فقال له ورقة يا ابن اخی ما ذا تری فاخبره رسول الله صلی الله عليه وسلم خبر مارائ فقال له ورقة هذا الناموس الذی نزل الله علىٰ موسىٰ ياليتنی فيها جذعاً ياليتنی اكون حيا اذ يخرجك قومك فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم او مخرجی هم قال نعم لم يات رجل قد بمثل ما جئت به الاعودی وان يدركنی يومك انصرك نصرا مؤذرا ثم لم ينشب ورقة ان توفی وفترالوحی[1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوئی' آپ جو کچھ خواب دیکھتے تھے سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوجاتا تھا' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت گزیں ہوگئے' چنانچہ کھانے پینے کا سامان لے کر غارحرا تشریف لے جاتے تھے اور وہاں تحنث یعنی عبادت کرتے تھے جب سامان ختم ہو جاتا تو پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ غیب نظر آیا' کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ' آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں' اس نے زور سے دبایا' پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ' پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں اس طرح تیسری دفعہ دبا کر کہا پڑھ اس خدا کے نام سے: جس نے کائنات کو پیدا کیا۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲-۳

جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے' آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے' آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا مجھ کو کپڑا اڑھاؤ' مجھ کو کپڑا اڑھاؤ' لوگوں نے کپڑا اوڑھایا تو ہیبت کم ہوئی پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ''مجھ کو ڈر ہے'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا' کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں' مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں پھر وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہباً نصرانی تھے عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے' اب وہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے' خدیجہؓ نے کہا اپنے بھتیجے (آنحضرت ﷺ) کی باتیں سنو' بولے ابن الاخ تو نے کیا دیکھا؟ آنحضرت ﷺ نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا۔ کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی' آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں جو کچھ آپ پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا اور وحی کچھ دنوں کے لیے رک گئی۔

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی آنحضرت ﷺ نوافل پڑھا کرتے تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں' ابن سعد کہتے ہیں[1]

مکث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خدیجۃ یعلیان سرا ماشاء اللہ.

''آنحضرت ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کیے''۔

---

[1] طبقات ج۸ص۱۰۔

عفیف کندی سامان خریدنے کے لیے مکہ آئے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں فروکش ہوئے۔ صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی۔ دیکھا کہ ایک نوجوان آیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر قبلہ رخ کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آ کر کھڑا ہوگیا، پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی، نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے، تو عفیف نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ہاں پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہ دوسرا بھتیجا علیؓ ہے، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی (خدیجہؓ) ہے، میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کے حکم سے کرتا ہے دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں[1]۔

عقیلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں، درایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں، روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طریق ہیں محدث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے، بغوی، ابویعلی اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خیثمہ، ابن مندہ اور صاحب غیلانیات نے اسے مقبول مانا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند سال تک کفار مکہ کو اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اثر کام کررہا تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ آغاز نبوت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ''مجھ کو ڈر ہے'' تو انہوں نے کہا کہ ''آپ متردد نہ ہوں، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا'' دعوت اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح

---

[1] طبقات ص ۱۰، ۱۱۔

کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی اور تشفی دی، استیعاب میں ہے:[۱]

فکان لایسمع من المشرکین شیا یکرہ من رد علیه وتکذیب له الا فرج الله عنه بما تثبته وتصدقه وتخفف عنه وتهون علیه ما یلقی من قومه.

''آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں''۔

ے نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو تدبیر یہ سوچی کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے، چنانچہ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزین ہوئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ آئیں، سیرت ابن ہشام میں ہے:[۲]

وهی عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعه فی الشعب.

''اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابوطالب میں تھیں''۔

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا، وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو رحم آیا، ابوجہل سے کہا ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے لیے کچھ بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔[۳]

وفات:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ نبوی (ہجرت سے

---

[۱] طبقات ج ۲ ص ۴۰۔

[۲] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲۔ [۳] ایضاً۔

تین سال قبل)[۱] انتقال کیا' اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی' چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھیں اس لیے ان کی لاش اسی طرح دفن کر دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے' اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر حجون میں ہے'[۲] اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا' اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے' اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بہت سی اولاد ہوئی' ابو ہالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے' دو لڑکے پیدا ہوئے' جن کا نام ہالہ اور ہند تھا' دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی' اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں' دو صاجزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاجزادیاں جن کے نام حسب ذیل ہیں:[۳]

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے تھے' ان ہی کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوالقاسم کنیت سے کہا کرتے تھے' صغر سنی میں مکہ میں انتقال کیا' اس وقت پیروں چلنے لگ تھے۔

(۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاجزادی تھیں۔

(۳) حضرت عبداللہ نے بہت کم عمر پائی' چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے' اس لیے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(۴) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ۵۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا (۶) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

---

۱ بخاری ج ۱ ص ۵۵۱۔ ۲ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۱

۳ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۔ ۴ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۱۔

ان سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا یا بڑا پا تھا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں' اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں' اس لیے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا' وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بعض خاص خصوصیتیں حاصل ہیں' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں' وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی' لیکن آنحضرت ؐ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی' حضرت ابراہیم کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہیں سے پیدا ہوئی۔

فضائل ومناقب:

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اٹھی' کوہ حرا' وادی عرفات' جبل فاران غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا' لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کررہی تھی' یہ آواز حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی' جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوار الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون ہیں' جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کردی تھی' چنانچہ مسند احمد ابن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''بخدا میں کبھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا'' انہوں نے جواب دیا کہ ''لات کو جانے دیجیے' عزیٰ کو جانے دیجیے' یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے''[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تھی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے' ابن ہشام میں ہے:

---

[1] مسند ج ۴ ص ۲۲۲۔

و كانت له وزير صدق على الاسلام.

''وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں''۔

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تمول اور اس دولت وثروت کے جوان کو حاصل تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت خود کرتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ'' خدیجہ رضی اللہ عنہا برتن میں کچھ لا رہی ہیں، آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجیے''[1]

آنحضرت ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ سے سخت محبت تھی، لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو آزاد کیا، اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کی بجائے شہنشاہ رسالت (ﷺ) کے غلام تھے۔

آنحضرت ﷺ کو بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہ کی، ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ'' خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے''[2]

ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں اور آپ جھجک اٹھے، اور فرمایا کہ'' ہالہ ہوں گی''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں ان کو

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۹۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳۔

نہایت رشک ہوا، بولیں کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں، جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دیں" صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی[1] اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:

خیر نسائها مریم بنت عمران و خیر نسائها خدیجة بنت خویلد.

"عالم میں افضل ترین عورت مریمؑ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔

ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو فرمایا:

بشر هابیت فی الجنة من قصب لا صخب فیه و لا نصب[2]

"ان کو جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دیجیے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی"۔

---

[1] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجلد دوم طبع دوم ص ۴۰۱۔ [2] بخاری باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ وفضلها۔

۲۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

سودہ نام تھا' قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں' جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا' سلسلۂ نسب یہ ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی' ماں کا نام شموس تھا' یہ مدینہ کے خاندان بنونجار سے تھیں' ان کا پورا نام ونسب یہ ہے' شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

نکاح:

سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو سے جوان کے والد کے ابن عم تھے' شادی ہوئی۔

قبول اسلام:

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں' ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے' اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے' حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے' لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ واپس آئیں اور سکران رضی اللہ عنہ نے کچھ دن بعد وفات پائی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حرم نبوت میں ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان و غمگین تھے' یہ حالت دیکھ کر خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم (عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے' آپ نے فرمایا ہاں گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ کے متعلق تھا' آپ کے ایماء سے وہ حضرت سودہ کے والد

کے پاس گئیں' اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا' پھر نکاح کا پیغام سنایا' انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شریف کفو ہیں' لیکن سودہ رضی اللہ عنہا سے بھی تو دریافت کرو' غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا' چار سو درہم مہر قرار پایا' نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے' آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا' چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔[1]

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۱۰ نبوی میں ہوا' اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے' اس لیے مورخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے' ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کو تقدم ہے اور عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقدم سمجھتے ہیں۔[2]

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا' وہ ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے' اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گا' چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔[3]

عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو لے آئیں' چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت زید کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

۱۰ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں' چونکہ وہ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ اور لوگوں کے مزدلفہ سے روانہ ہونے سے قبل

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۱۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۔۳۷۔۳۸۔۳۹ و زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰۔

[3] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰ و طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸ و ۳۹۔

ان کو چلا جانا چاہیے' کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔[۱]

وفات:

ایک دفعہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں' انہوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا' فرمایا کہ جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے' لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے' ہاتھ ناپے گئے تو حضرت سودہ کا ہاتھ لمبا تھا'[۲] لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ بڑائی سے آپ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی' بہرحال واقدی نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سال وفات ۵۴ھ بتایا ہے'[۳] لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔[۴]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال ۲۲ھ ہوگا' خمیس میں یہی روایت ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے'[۵] اور اس کو امام بخاری' ذہبی' جزری' ابن عبدالبر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔

اولاد:

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی' پہلے شوہر (حضرت سکران رضی اللہ عنہ) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا' جس کا نام عبدالرحمٰن تھا' انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی۔[۶]

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸۔

۲ طبقات ج ۸ ص ۳۷۔

۳ طبقات ابن سعد ج ۸ (ص ۳۷، ۳۹)

۴ اسد الغابہ واستیعاب وخلاصہ تہذیب حالات سودہؓ۔

۵ زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲۔

۶ زرقانی ج ۲ ص ۲۶۰۔

حلیہ:

ازواج مطہرات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی بلند و بالا نہ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا ہے، اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں، [۱] اور زرقانی میں ہے کہ ان کا ڈیل لمبا تھا۔ [۲]

فضل وکمال:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن (بن اسعد زرارہ) نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: [۳]

ما من الناس امرء ۃ احب الی ان اکون فی مسلاخھا من سودۃ.

''سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی''۔

اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں، آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا، [۴] چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں، اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ [۵]

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا وہ اس وصف میں بھی ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷۔ [۲] زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹۔ [۳] طبقات ج ۸ ص ۳۸۔

[۴] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۱۔ [۵] طبقات ج ۸ ص ۳۸۔

بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے؟ بولا درہم بولیں، کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا[1] وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں[2]

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں، وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں، لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا اس لیے جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں، اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی[3]

مزاج تیز تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بے حد معترف تھیں، لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں، ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جا رہی تھیں، راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا قد نمایاں تھا، انہوں نے پہچان لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پردہ کی تحریک کر چکے تھے اس لیے بولے سودہ تم کو ہم نے پہچان لیا۔ حضرت سودہ کو سخت ناگوار ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی[4]

بایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہہ ہو گیا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی، آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا اٹھے۔[5]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۸۔ [2] ایضاً ص ۶۵ حالات خلیسہ۔

[3] صحیح بخاری و مسلم (کتاب النکاح جواز ہبۃ نوبتہا الضرتہا)۔

[4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۔ [5] ابن سعد ج ۸ ص ۳۷۔

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آرہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا، تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر گھبرا گئیں، ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے، قریب تھا، فوراً اس کے اندر داخل ہوگئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا ہنستی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے، یہ سن کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا باہر آئیں تو مکڑی کا جالا بدن میں لگا ہوا تھا، اس کو باہر آ کر صاف کیا۔[1]

میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سنداً ضعیف ہے۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۶۵۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبداللہ کنیت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام زینب تھا، ام رومان کنیت تھی، اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتوفگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفروشرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی، وائل کے بھائی افلح، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں،[2] رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔[3]

نکاح:

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں لیکن جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ام رومان سے کہا، اور انہوں نے

---

[1] بخاری ج۱ ص۲۵۲۔ [2] ایضاً ص۳۲۰۔ [3] ایضاً ص۳۶۱۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، وہ بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں آ گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا۔

بہرحال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا، پانچ سو درہم مہر قرار پایا، یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا، عطیہؓ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ ''جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا''[1]

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ۳ سال تک رہا، ۱۳ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اہل و عیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہن کو لے آئیں، مدینہ میں آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے،[2] صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے،[3] شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰۔ [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔ [3] صحیح بخاری تزویج عائشہؓ و سیرۃ النبی مجلد ۲۔

(۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے' اسی بنا پر جب خولہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا' تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ ''کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے''۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم صرف مذہبی بھائی ہو۔

(۲) اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے' زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

عام حالات:

غزوات میں صرف غزوۂ احد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت کا پتہ چلتا ہے' صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور ام سلیم (رضی اللہ عنہا) کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں''۔[۱]

غزوہ مصطلق ۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں' واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا' پورے قافلہ کو اترنا پڑا' نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا' تمام صحابہؓ پریشان تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی اور تیمّم کی آیت نازل ہوئی اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے' اسید بن حضیر نے کہا ''اے آل ابوبکرؓ! تم لوگوں کے لیے سرمایۂ برکت ہو''۔

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا۔ یعنی منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے' لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ''بالکل افترا ہے'' اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹ھ میں تحریم اور ایلاء وتخییر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئے گی۔ البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر نقل کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی'

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۵۸۱۔

آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے' ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہوئیں تھیں۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہوسکتی' خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ ان کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر وقناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے' دیکھا کہ بیچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے' دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہوگئے' لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا' آپ نے بالا خانے پر تنہا نشینی اختیار کی' واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی تو آپؐ نے فرمایا: ''نہیں'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ سے اتر آئے' سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے' وہ ایک ایک دن گنتی تھیں' بولیں: ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے ہیں ارشاد فرمایا: ''مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے''۔

اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی' اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں' دنیا اور آخرت' اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت واحترام کے ساتھ

رخصت کر دوں، اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی راحت کی طلب گار ہو تو خدا نے ان نیکوں کاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں، آپ نے ان کو ارشاد الٰہی سے مطلع فرمایا، انہوں نے کہا: ''میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتی ہوں''۔ تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔[1]

ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، ۱۳ دن علیل رہے، جن میں ۸ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اقامت فرمائی خلق عمیم کی بنا پر اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانے کا ارادہ تھا، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں، ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات کو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں دریافت فرمایا کہ عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔[2]

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ پر غشی طاری ہوتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں، اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیھم اور کبھی یہ فرماتے اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمٰن

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۲ و صحیح مسلم باب ایلاء۔ [2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴۹۔

کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی، اور خدمت اقدس میں پیش کی، آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فخر یہ کہا کرتی تھیں کہ ''تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جوٹھا آپ نے منہ میں لگایا''۔

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعۃً بدن کا بوجھ معلوم ہوا، دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں تھیں اور روح پاک عالم قدس میں پرواز کر گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے لیے خدا نے دوسری شادی ممنوع قرار دی تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کیے، اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد واحد قرآن وحدیث کی تعلیم تھا، جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس قدر دل جوئی کی وہ خود اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں: ''ابن خطاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے''[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ازواج مطہرات کے لیے دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔

وظیفہ بارہ ہزار تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں مقیم تھیں، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لیے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی، جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، جمل اونٹ کو کہتے ہیں چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں، اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی اس لیے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہوگئی، یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آگئی تھی تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ''مجھے روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا، بلکہ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا، کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک جرم[2] کیا ہے''۔ ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں:

﴿ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ ﴾

''اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو''۔

تو اس قدر روتی تھیں کہ انچل تر ہوجاتا تھا[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا۔

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی، اس وقت سرسٹھ برس کا سن تھا، اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں، قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن عبدالرحمنؒ، عبداللہ بن ابی عتیقؒ، عروہ بن زبیرؒ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا، اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، مروان بن حکم کی

---

[1] مسند۔ [2] کتاب الجنائز ومستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۵۹ جز ثانی۔

طرف سے مدینہ کے حاکم تھے' اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی' ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا' اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی' لیکن یہ قطعاً غلط ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے تھی' جن کو انہوں نے متبنیٰ بنایا تھا۔

حلیہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں' رنگ سرخ و سفید تھا۔

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر' نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی' جامع ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسئالنا عائشة الا وجدنا عندنا منه علما.

''ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں''۔

امام زہری جو سرخیل تابعین تھے' فرماتے ہیں:

کانت عائشة اعلم الناس یسئلها الاکابر من اصحاب رسول اللہ ﷺ[1]

''عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں' بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پوچھا کرتے تھے''۔

عروہ بن زبیر کا قول ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد جز ۲ قسم ۲ ص ۲۶۔

مارأت احداً اعلم بالقران ولا بفريضة ولا بحلال ولا بفقه ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة.

''قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا''۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شہادت ہے:

لو جمع علم الناس كلهم ثم علم ازواج النبی صلی الله عليه وسلم فكانت عائشة وسعهم علما.

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہؓ میں ہوتا ہے، اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ لیا جا سکتا ہے، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتوے دیتی تھیں، اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کیے ہیں ان کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہ علی الصحابہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکثرین صحابہ میں داخل ہیں، ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے، امام بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں، ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، چنانچہ رویت باری، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں، انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں، چنانچہ قرآن

مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحات کی ہیں۔

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں، جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔

البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسم و رواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں، جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ افک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر، احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوۂ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دعویٰ میراث، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ما رأیت افصح من عائشة.[1]

''میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا''۔

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے، اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے تاہم جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں، پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے، مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

فما رای رویا الاجأت مثل فلق الصبح.

''آپ جو خواب دیکھتے تھے سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا''۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱۔

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی، تو جبین مبارک پر عرق آجاتا تھا، اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

مثل الجمان. ''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے''۔

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

مااکتحل بنوم. ''میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا تھا''۔

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے، وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابہؓ میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں، وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں، ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

''لوگو! خاموش، خاموش، تم پر میرا مادری حق ہے، مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے، سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے، مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے، میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں، خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق کی تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمّم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لیے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شوروغوغا پر گوش بر آواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی

مدفون بیماریوں کو دور کیا' جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے' ان کو تھان تک پہنچا دیا' جو پیاسے تھے' ان کو گھاٹ پر لے آیا' اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا' اور اہل شرک کے لیے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا۔

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے' جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں' جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لیے'' ۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو شعر نہیں کہتی تھیں' تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے' ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لیے حاضر ہوتے تھے' امام بخاری نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا' اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے' کعب کے علاوہ ان کو دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے' جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں' چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان علوم کی ماہر تھیں' بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں' چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے' اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصاص حاصل تھا' وہ حسب ذیل ہیں:

عروہ بن زبیر' قاسم بن محمد' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' مسروق' عمرۃ' صفیہ بنت شیبہ' عائشہ بنت طلحہ' معاذۃ عدویہ۔

اخلاق و عادات:

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ رکھتی تھیں' وہ نہایت قانع تھیں' غیبت سے احتراز کرتی تھیں' احسان کم قبول کرتیں' اگرچہ خودستائی ناپسند تھی' تاہم

---

[1] عقد الفرید باب الخطیب و ذکر واقعہ جمل ص ۱۴۔

نہایت خود دار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے زیادہ نمایاں وصف جود و سخا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لیے کچھ نہیں ہے، فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا[1]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے متبنیٰ فرزند تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی، چنانچہ ابن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا[2]

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی میں باز نہ آؤں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اس کو پڑھ لیتی تھیں، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدت سے پابند تھیں، اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں، غلاموں پر شفقت کرتیں، اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں، ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۳ [2] صحیح بخاری باب مناقب قریش۔ [3] شرح بلوغ المرام کتاب العتق۔

۴۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

حفصہ نام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے حفصہ بنت عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباع بن عبداللہ بن قرط بن رباح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک، والدہ کا نام زینبؓ بنت مظعون تھا، جو مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں، اور خود بھی صحابیہ تھیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حقیقی بھائی بہن ہیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں، اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنوسہم سے تھے۔

اسلام:

ماں، باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، غزوہ بدر میں خنیسؓ نے زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی، عدت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی، اسی زمانہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی، انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا، چند دنوں بعد ملاقات ہوئی، تو صاف انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا انہوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمر کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس

کے بعد خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا، لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔[1]

وفات:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا، یہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، جنازہ کو قبر تک لے گئے، ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور لڑکوں عاصمؓ، سالمؓ، عبداللہؓ، حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے، تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔ اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے، جنہوں نے امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ان کی نگرانی میں دے گئے تھے، اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ و اصابہ ج ۸ ص ۵۱۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱۔

اولاد:

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال:

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں' اور وہ یہ ہیں' عبداللہ بن عمرؓ، حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابوعبیدؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہب' مطلب بن ابی وداعہ' ام مبشر انصاریہ' عبداللہ بن صفوان بن امیہ' عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام[1]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں'[2] جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لیے واقعہ ذیل کافی ہے' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اعتراض کیا کہ خدا تو فرماتا ہے:

﴿ وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا ﴾

''تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی تو ہے:

﴿ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا ﴾

''پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے''[3]

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی' حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا' ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم حفصہ کو منتر سکھلا دو[4]

اخلاق:

ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے:

انھا صوامة قوامة. ''وہ (یعنی حفصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں''۔

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱۔ [2] ایضاً۔ [3] مسند ابن حنبل ۶ ص ۲۸۵۔ [4] ایضاً ص ۲۸۱۔

دوسری روایت میں ہے:

ماتت حفصة حتى ما تفطر[۱] ''انتقال کے وقت تک صائم رہیں''۔

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں، جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے، لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں، تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کردے۔[۲]

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا، دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں بتائی تھیں، اس میں بہت سی موجود تھیں، اس کی عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی، انہوں نے اس کو سخت سست کہا، اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا، ابن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں، تم کو اس سے کیا غرض، تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔[۳]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں، اور برابر کا جواب دیتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے، اسلام نے ان کو درجہ دیا، اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی، ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی، میں نے کہا: ''تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ'' بولیں: ''ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برابر کا جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں''۔ میں اٹھا اور حفصہ کے

---

۱ اصابہ ج ۸ ص ۵۲۔ ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹۔

۳ مسند ج ۶ ص ۲۸۳ و مسلم کتاب الفتن ذکر ابن صیاد۔

پاس آیا، میں نے کہا: ''بیٹی میں نے سنا ہے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو'' بولیں: ''ہاں ہم ایسا کرتے ہیں'' میں نے کہا خبردار! میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے[1]

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ ''مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو'' آپ نے فرمایا حفصہؓ خدا سے ڈرو، پھر حضرت صفیہ سے ارشاد ہوا۔ ''تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہ رضی اللہ عنہا تم پر کس بات پر فخر کرسکتی ہے''[2]

ایک بار حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزرا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: ''تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہوسکتی ہو، میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں''۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیاں تھیں جو تقریب نبوی میں دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا، اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا، ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا، انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر و فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۴۔

[2] ترمذی باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے[۱] (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری:[۲]

يَآاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ.

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟''۔

کبھی کبھی (حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے، اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، ''خداوند کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے''۔[۳]

---

[۱] مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔

[۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹۔

[۳] صحیح بخاری (و سیرۃ النبی جلد دوم)

۵۔ حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب نام تھا، سلسلۂ نسب یہ ہیزینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

چونکہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔[1]

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۴، ۹۵ (وسیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم)

۶۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ بنوفراس سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل بن الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابوامیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ کے مشہور مخیرؔ اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لیے زادالراکب کے لقب سے مشہور تھے۔[1] حضرت ام سلمہؓ نے ان ہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی۔

نکاح:

عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابوسلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں، اور جو ام سلمہؓ کے چچازاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا۔

اسلام:

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔

ہجرت حبشہ:

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۰۔

ہجرت مدینہ:

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہؓ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی' اس لیے حضرت ابوسلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے' اور یہ اپنے گھر واپس آ گئی تھیں (ادھر سلمہ کو بھی ابوسلمہ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لیے ام سلمہ کو اور بھی تکلیف تھی' چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں' ۷۔۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو' اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کردو" روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا۔

چونکہ بالکل تنہا تھیں' یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا' تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی' بولا "کدھر کا قصد ہے؟" کہا: "مدینے کا" پوچھا: "کوئی ساتھ بھی ہے" جواب میں بولیں: "خدا اور یہ بچہ" عثمانؓ نے کہا: "یہ نہیں ہوسکتا تم تنہا کبھی نہیں جاسکتیں" یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا' رستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا' اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اتر پڑتیں' روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتا کہ "سوار ہو جاؤ" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا' غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا' قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا "اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ' وہ یہیں مقیم ہیں" یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔[1]

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی' شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش تھیں' لیکن جب کچھ لوگ حج

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲' ۲۷۳۔

کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں' ابوامیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے اس لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں [1]

وفات ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور نکاح ثانی اور خانگی حالات:

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہ سوار تھے' بدر اور احد میں شریک ہوئے' غزوۂ احد میں چند زخم کھائے' جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے' جمادی الثانی ۴ھ میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی [2] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے' گھر میں کہرام مچا تھا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں ''ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صبر کرو' ان کی مغفرت کی دعا مانگو' اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر''۔ اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں' لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا' یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے' وفات کے وقت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں' اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں' وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا' لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا' ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے چند عذر ہیں: ❶ میں سخت غیور عورت ہوں۔ ❷ صاحب عیال ہوں ❸ میرا سن زیادہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب عذر کیا

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۰۷۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳۔

ہوسکتا تھا؟ اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے[1] میرا نکاح کرو۔

شوال ۴ھ کی اخیر کی تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی، حضرت ام سلمہ کو ابوسلمہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کردیا، سنن ابن ماجہ میں ہے:

فلما توفی ابوسلمة ذکرت الذی کان حدثنی فقلت فلما اردت ان اقول اللهم عضنی خیرا منه قلت فی نفسی اعاض خیرا من ابی سلمة رض ثم قلتها فعاضنی الله محمد صلی الله علیه وسلم.

''جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہؓ کے جانشین آنحضرت ﷺ ہوئے''۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا، یہی سامان اور بیویوں کو بھی عنایت ہوا تھا[2]

بہت حیادار تھیں، ابتداءً جب آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے، حضرت عمارؓ بن یاسر کو جو حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین کر لے گئے[3]

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی، اور جس طرح دوسری بیویاں رہتی تھیں، وہ بھی رہنے لگیں، نکاح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑا رشک ہوا، ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے:

---

[1] سنن نسائی ص ۵۱۱۔ [2] مسند ج ۶ ص ۹۵۔ [3] ایضاً۔

خرنت حزنا شدیدا[۱] ''یعنی مجھ کو سخت غم ہوا''۔

آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک موقعہ پر جب تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو (سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہؓ ہی کو اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے، ایک میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ، سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں، دوسرے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں، چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔

حضرت ام سلمہؓ نے آپ سے یہ شکایت کی تو آپؐ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا، تیسری مرتبہ کہا: ''ام سلمہ! عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ، کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے، جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو''۔[۲] حضرت ام سلمہؓ نے کہا: ''اتوب الی اللہ عزوجل من اذاك یارسول اللہ'' ''میں آپؐ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں''۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا (حضور ﷺ کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا) آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے (اور یہ سامنے ہوتی تھیں)۔[۳]

آنحضرتؐ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں، حضرت سفینہؓ جو آنحضرت ﷺ کے مشہور غلام ہیں، دراصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے، ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔[۴]

---

[۱] مسند ج ۸ ص ۲۴۱ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲۔ [۳] مسند ج ۶ ص ۳۲۲۔ [۴] ایضاً ص ۳۱۶۔

عام حالات:

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں، غزوۂ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں، تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا، اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً عمارؓ بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا: ''(افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔[1]

محاصرۂ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اثنائے مشورہ میں ابولبابہؓ نے ہاتھ کے اشارے سے بتلایا کہ تم قتل کیے جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی، آنحضرت ﷺ ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں: ''خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے''؟ فرمایا: ''ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی''۔ عرض کی ''تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنادوں'' فرمایا: ''ہاں اگر چاہو'' حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں، اور پکار کر کہا: ''ابولبابہ! مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہوگئی''۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امڈ آیا۔[2]

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ واقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں، اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی ﷺ کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے، اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے، ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''ان سے پردہ کرو'' بولیں: ''وہ تو نابینا ہیں'' فرمایا: ''تم تو نابینا نہیں ہو۔ تم تو انہیں

---

[1] مسند ج ٦ ص ٢٨٩۔ [2] زرقانی ج ۲ ص ۱۵۳ و ابن سعد ج ۲ ص ۵۴۔

دیکھتی ہو"۔[۱]

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لیے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لیے بال منڈوائیں" آپ نے باہر آ کر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔[۲]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو واضح کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا، امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔[۳]

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی۔[۴]

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا:[۵]

عجبا لك يا ابن الخطاب دخلت فی کل شئی حتی تبتغی ان تدخل

---

[۱] مسند ج ۶ ص ۲۹۶۔ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۰۔ [۳] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲۔

[۴] ستیعاب ج ۲ ص ۸۰۳۔ [۵] صحیح بخاری ۲ ص ۷۳۰۔

بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وازواجه.

''عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو''۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے' رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ میں ہوا اگرچہ ام سلمہ علیل تھیں' تاہم ساتھ آئیں' بنہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے[1] طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو' تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا' چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا[2]

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے' مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر آپ کو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں' ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا چیخ اٹھیں' آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں'[3] ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانا چاہی' چونکہ گوارا نہ تھی' آپ نے انکار فرمایا' لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماءؓ بنت عمیس نے دوا پلا دی[4] (بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو حبشہ سے ہو آئی تھیں' وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجے ہوں گے)

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۰۸ و ص ۲۸۹۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹ و ۲۲۰۔

[3] طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۱۳۔ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۳۲۔

اوران کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں' اوراس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں' قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے[1]

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں تین باتیں کی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں' لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا[2]

۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی' حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں' نہایت پریشان ہیں' سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یارسول اللہ (ﷺ) کیا حال ہے' ارشاد ہوا: "حسینؓ کے مقتل سے واپس آرہا ہوں"۔ حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے[3] اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسین کو قتل کیا' خدا ان کو قتل کرے اور حسین کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے[4]

۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا' جہاں ابن زبیرؓ پناہ گزیں تھے' چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا' بعض کو شبہہ ہوا اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا' اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔ ام سلمہؓ سے پوچھا گیا جو لوگ جبراً شریک کیے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں' لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے (حضرت ابوجعفرؓ) فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینے کے میدان میں پیش آئے گا۔[5]

وفات:

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ھ) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا' اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا' حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں[6] دفن کیا۔

---

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم۔ [2] طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۴۰۔ [3] صحیح ترمذی ص ۲۲۴۔
[4] مسند ج ۶ ص ۲۹۸۔ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳ و ۴۹۴۔ [6] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶۔

اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا' چونکہ حضرت ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا[1]

اولاد:

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں:

سلمہ حبشہ میں پیدا ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان ہی نے کیا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

درہ' ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے' حضرت ام حبیبہؓ نے جو کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے' اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لیے کسی طرح حلال نہ تھی' کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے[2]

زینبؓ۔ پہلے برہ نام تھا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا[3]

حلیہ:

اصابہ میں ہے:

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع.

''یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں''۔

ابن سعد[4] نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں' مگر یہ واقدی کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بال نہایت گھنے تھے[5]

---

[1] طبرانی کبیر ج ۳ ص ۲۴۴۳۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴۔ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳۔
[4] ابن سعد ج ۸ ص ۶۶ [5] مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ تھیں، تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں:[1]

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ولا مثلاً لعائشةؓ وام سلمةؓ.

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا تھا:

کیف نسئل احداً وفینا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباسؓ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے[3]، تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانۂ فیض پر سربر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا[4]۔

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا، ان سے ۳۷۸ روایتیں مروی ہیں۔ اس بناپر وہ محدثین صحابہؓ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے یا ایھا الناس (اے لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں، اور کھڑے ہوکر پورا خطبہ سنا[5]۔

مجتہد تھیں، صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۱۷۔
[3] ایضاً ص ۳۱۲۔ [4] ایضاً ص ۳۰۰ و ۳۰۲۔ [5] ایضاً ص ۳۰۱۔

صاحب العقل البالغ والرائی الصائب[1]

''یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں''۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ تیار ہوسکتا ہے[2] ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہے۔ ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے' مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے' چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا' انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں:

یغفر اللہ لعائشۃ لقد وضعت امر علی غیر موضعہ[3] اولم اخبرھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد نھی عنھما[4]

''یعنی خدا عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی' کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے' ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے' حضرت ابوہریرہؓ نے سنا تو رنگ فق ہوگیا' اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا' لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ علم ہے۔[5] (اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا فتویٰ واپس[6] لے لیا)

---

[1] اصابہ ج ٨ ص ٢٤١ [2] اعلام الموقعین ج ١ ص ١٣۔ [3] مسند احمد ج ٦ ص ٢٩٩۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج ٢ ص ٢٣٩۔ [4] مسند احمد ج ٦ ص ٣٠٣

[5] مسند احمد ج ٦ ص ٣٠٦، ٣٠٧۔ [6] ایضاً ص ٣٠٦

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد کیجیے' فرمایا: ''آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا'' آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا' فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔[1]

حضرت ام سلمہؓ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے' ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا' وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا' واپس آ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر سنائی تو بولیں: نعم و اشفیك ! ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔[2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا' اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا نہ وہ مجھے دیکھیں گے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گھبرا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی' حضرت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا: ''خدا کی قسم! سچ سچ کہنا کیا میں انہی میں ہوں؟'' حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں' لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔[3]

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے' ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہندؓ بنت الحارث الفراسیہ، صفیہؓ بنت شیبہ، عمرؓ، زینبؓ (اولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعبؓ بن عبداللہ (برادرزادہ) نبہان (غلام مکاتب) عبداللہؓ بن رافع، نافعؓ، شعبہ، پسر شعبہؓ، ابوبکرؓ، خیرہ والدہ حسن بصری، سلمانؓ بن یسار، ابوعثمانؓ النہدی، حمیدؓ، ابوسلمہؓ، سعید بن مسیب، ابووائل، صفیہ بنت محصن، شعبی، عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ،

---

[1] مسند احمد ج ٦ ص ٣٠٩۔ [2] ایضاً ص ٢٩٧۔ [3] مسند احمد ص ٣٠٧ ج ٦۔

کریب مولیٰ ابن عباسؓ، قبیصہ بن ذویبؓ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ یعلیٰ بن مملک۔

اخلاق وعادات:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا[1] ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں،[2] ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولادان کے ساتھ تھی، اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔[3]

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں، آیت تطہیر انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کمبل اڑھایا اور کہا: ''خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر''۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔[4]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر وتبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔[5]

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی، وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کے خلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا: ''ترب وجهك الله!'' یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔[6]

فیاض تھیں، اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۳۱۵۔ [2] ایضاً ص ۲۸۹۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹۸۔

[4] صحیح ترمذی ص ۵۳۰۔ [5] مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔ [6] ایضاً ج ۶ ص ۳۰۱۔

عوف نے آ کر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہوگیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے[1]

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، ام الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی سے کہا ان کو کچھ دے کر رخصت کرو، کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں،[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں، تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ[4]

مناقب:

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا: ''ان کو جانتی ہو''؟ بولی دحیہ تھے، لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل تھے،[5] (غالباً نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے)۔

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۰۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳۔ [3] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۵

[4] ایضاً ص ۳۰۱۔ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ مطبوعہ مصر

۷۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زینب نام، ام الحکیم کنیت، قبیلۂ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ، والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام:

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں اسد الغابہ میں ہے:

کانت قدیمۃ الاسلام[۱] ''قدیم اسلام سے تھیں''۔

نکاح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے ان کا نکاح کر دیا، اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا، اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض ''تقویٰ'' کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر وادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے، اس بنا پر اگرچہ حضرت زیدؓ بظاہر غلام تھے تاہم چونکہ وہ مسلمان اور مرد صالح تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا۔

---

۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳

تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے:

تزوجها ليعلمها كتاب الله وسنة رسوله.[1]

''یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح زیدؓ سے اس لیے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں''۔

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا، لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکررنجی بڑھتی گئی، حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت ﷺ میں شکایت کی[2] اور طلاق دے دینا چاہا۔

جاء زيد بن حارثه فقال يارسول الله (صلى الله عليه وسلم) ان زينب اشتد على لسانها وانا اريد ان اطلقها.[3]

''زید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہے اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿ **وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ** ﴾ (احزاب:۵)

''اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا، یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو''۔

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے، اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا (چونکہ زیدؓ غلام رہ چکے تھے، اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ نسبت گوارا نہ تھی) بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳۔ [2] صحیح ترمذی ص ۵۳۱۔ [3] فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳۔ تفسیر سورۂ احزاب۔

فرماتے تھے' لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا' اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ﴾

''اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے' اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے''۔ (احزاب: ۳۷)

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ' زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں' چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا ''زینبؓ! رسول کریم ﷺ کا پیغام لایا ہوں'' جواب ملا: ''میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی'' یہ کہا اور مصلٰی پر کھڑی ہو گئیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا' اور نکاح ہو گیا آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے۔ کھانے کے وقت آنحضرت ﷺ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں' باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری' جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے' کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول کریم ﷺ کو تکلیف ہوئی' رسول اللہ ﷺ فرط مروت سے خاموش تھے' بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے' اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں' اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے' اطلاع

آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو''۔ (احزاب:۵۳)

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا، اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی یہ ذوالقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں، ان نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، مساوات اسلامی کا عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد غلام کی تمیز اٹھ گئی پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی ولیمہ میں تکلف ہوا، اسی بنا پر حضرت زینب اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں [1]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

هي[2] التي كانت تساميني منهن في المنزلة عند رسول اللهﷺ.

''ازواج میں سے وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں''۔

---

[1] ترمذی ص ۵۳۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴۔ [2] صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، اور وہ ناکام واپس آئیں، تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا، اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے"[1]

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا:

اسرعکن لحاقابی اطولکن یداً۔ "تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا"

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا گیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انہوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا، چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا[2]

---

[1] صحیح مسلم فضل عائشہ رضی اللہ عنہا [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱، مسلم ص ۳۴۱ ج ۲، اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵۔

حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی' واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے' عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا' جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانۂ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کر دیا گیا[1]

حلیہ:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں[2]

فضل وکمال:

روایتیں کم کرتی تھیں' کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں' راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینب بنت ابی سلمہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادر زادہ)، کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔

اخلاق:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں:

کانت زینب صالحة صوامة قوامة.[3]

''یعنی حضرت زینبؓ نیک خو' روزہ دار ونماز گزار تھیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لم ارامرء ة قط خیر فی الدین من زینبؓ واتقی الله واصدق حدیثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذالاً لنفسها فی العمل الذی تصدیق به وتقرب به الی الله ما عدا سورة من حدة کانت فیها تسرع منها الفیئة.[4]

---

[1] طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳۔ [3] زرقانی بحوالہ ابن سعد۔
[4] مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہؓ)۔

''میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار' زیادہ پرہیز گار' زیادہ راست باز گفتار' زیادہ فیاض' مخیّر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی''۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زہد وتورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بھی شریک تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ما علمت الا خیرا. ''مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق وقرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں' ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے' حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ اواہ ہیں[1] (یعنی خاشع ومتضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں' حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے[2] ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا' انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو' برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے' دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں' دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا[3]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۳۔ [2] اصابہ ص ۱۱۳ ج ۸ بحوالہ ابن سعد۔ [3] ابن سعدؒ ج ۸ ص ۷۸۔

۸۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:
جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء۔
حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندان مصطلق کے سردار تھے[1]

نکاح:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔

غزوہ مریسیع اور نکاح ثانی:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمن اسلام تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لیے بریدہؓ بن حصیب اسلمی کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، ۲ شعبان ۵ھ کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے سے پہنچ چکی تھیں، اس لیے اس کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر

---

[1] طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۴۵۔

برساتے رہے مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے' ۱۱ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے' جن کی تعداد ۶۰۰ سو تھی' غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں' ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہؓ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں' انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو' ثابت نے ۹ اوقیہ سونے پر منظور کیا حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا' چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت شیریں ادا تھیں۔ میں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں"۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں' آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی' اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح کن بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: "میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی' میری شان اس سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اس کو آزاد کریں آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے' حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا ہے دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا' انہوں نے کہا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا

پسند کرتی ہوں''۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زرفدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہوگئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا[1]

حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آ گئے تھے' دفعۃً رہا کر دیئے گئے' فوج نے کہا جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا' ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے[3]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا' آنحضرت ﷺ نے بدل کر جویریہؓ رکھا کیونکہ اس میں بدفالی تھی[4]

وفات:

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی' اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا' مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت اور موزوں اندام تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

کانت امرء ۃ حلوۃ ملاحۃ لا یراھا احدالا اخذت بنفسہ.[5]

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں' ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے' ابن عباسؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ، عبید بن السباق، طفیل' ابوایوب مراغی، کلثوم،

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۸۴۔ [2] ابوداؤد کتاب العتاق ج ۲ ص ۱۰۵ طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۴۶ صحیح مسلم ص ۶۱۔
[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰۔ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱۔ [5] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰۔

ابن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، کریب۔

اخلاق:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے، دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا[1]

جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں، حضرت جویریہؓ سے دریافت کیا کہ کل روزہ سے تھیں؟ بولیں "نہیں" فرمایا: "تو کل رکھو گی؟" جواب ملا: "نہیں" ارشاد ہوا: "تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے"[2]

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک جمعہ کا ضرور ہوتا تھا۔ اس لیے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالکؒ سے بھی جواز کی روایت ہے بعض شافعیہ نے اس سے روکا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴، امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جائے (بذل المجہود جلد ۳ صفحہ ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آ کر پوچھا کہ "کچھ کھانے کو ہے"؟ جواب ملا: "میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا، وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں" فرمایا اسے اٹھا لاؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا"۔[3]

---

[1] صحیح ترمذی ص ۵۹۰۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۷۔ [3] صحیح مسلم ا ص ۴۰۰۔

۹۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

رملہ نام، ام حبیبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے:

رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں[۱]

نکاح:

عبید اللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا[۲]

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبشہ کو ہجرت کی، حبشہ میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔ عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، مے نوشی کی عادت ہوگئی، آخر ان کا انتقال ہو گیا[۳]

نکاح ثانی:

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ پیغام دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے،

---

[۱] اصابہ ج ۸ ص ۸۴۔ [۲] (ایضاً) ۔[۳] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد۔

انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ۷ھ یا ۶ھ کا واقعہ ہے[1] اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق؛ البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے، عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا، اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے۔ اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کر لیجیے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواستِ منظور فرمائی،[2] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔

لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی، ابن اثیر، بیہقی اور عبدالعظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں، اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

وفات:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ میں

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۲۷ (وتاریخ طبری واقعات ۶ھ)۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱۔

انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں، اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی (حضرت علیؓ بن حسین) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ "یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے"، چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا[1]

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہا (کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی ہو جایا کرتا تھا، اس لیے مجھ کو معاف کردو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کردیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی) تو بولیں، تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے[2]

اولاد:

پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے، عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہؓ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی، اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں، جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ:

خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے:[3]

عندی احسن العرب واجمله ام حبیبة.

"میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے"۔

فضل وکمال:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں، راویوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، بعض کے نام یہ ہیں، حبیبہؓ (دختر) معاویہؓ اور عتبہؓ پسران

---

[1] استیعاب جلد۲ ص ۷۵۰۔ [2] اصابہ جلد۲ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جزء نساء ص ۷۱)
[3] صحیح مسلم جلد۲ ص ۳۶۱۔

ابوسفیانؓ، عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابوصالح السمان، شہر بن حوشب۔

اخلاق:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ (ابوسفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ بولیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں، ابوسفیان نے کہا تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔[1]

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے،[2] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہیں رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابوسفیانؓ کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے، البتہ شوہر کے لیے ۴ مہینہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیے۔[3]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد۔ [2] مسند ج ۲ ص ۳۲۶۔

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۳۔

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا' اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا' فرماتی ہیں: ''فما برحت اصلیھن بعد!'' میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں' اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو ابن ادریس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر نمازیں پڑھتے تھے۔[1]

فطرۃً نیک مزاج تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا میری بہن سے آپ ﷺ نکاح کر لیجیے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ پسند ہے''۔ بولیں: ''ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں' اس لیے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو''[2]

---

[1] مسند ج ٦ ص ۳۲۷۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷٦۴ (باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ویحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب)۔

۱۰۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

میمونہ نام، قبیلہ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بجیر بن ہزم بن روبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمۃ بن خصیفہ بن قیس عیلان بن مضر، والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام ونسب ذیل ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش۔

نکاح:

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا،[۱] لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں، ابورہم نے ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا،[۲] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نکاح کے متولی ہوئے تھے،[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے ۱۰ میل ہے[۴] قیام فرمایا ابورافع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) حضرت میمونہ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔[۵] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا،[۶] اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخری بیوی تھیں۔

---

۱ زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳۔ ۲ بخاری ص ۶۱۱ ج ۲۔ ۳ نسائی ص ۵۱۳۔ ۴ تہذیب ص ۴۵۳ ج ۱۲۔

۵ ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱۔ ۶ ذیل المذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۵۳۔

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا' صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو' باادب آہستہ لے چلو''[2]

سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں' جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پراگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا ام عمار میرے کنگھا کرتی تھیں (اور آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے' اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے' اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے' بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔[3]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت ابن عباسؓ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمٰن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبیداللہ الخولانی (ربیب تھے) ندبہ (کنیز تھیں) عطاء ابن یسار' سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس' کریب (ابن عباسؓ کے غلام) عبید بن سباق' عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ' عالیہ بنت سبیع۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ و مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۳۳۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸۔ [3] مسند ج ۶ ص ۳۳۱۔

اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:[۱]

انها كانت اتقانا الله و اوصلنا للرحم.

''میمونہ رضی اللہ عنہا خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں''۔

احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ' ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں' خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہوگئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (بیوی کے ایام کے زمانہ میں) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں۔ آ کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو بولیں' ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے۔[۲]

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی تھی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی' خدا کی شان وہ اچھی ہوگئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں' جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی' تو وہ بولیں تم یہیں رہو' اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔[۳]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا شوق تھا' ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے)[۴]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی قرض لیتی تھیں' ایک بار زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے۔[۵]

---

۱ اصابہ ج ۸ ص ۱۹۲ بحوالہ ابن سعد۔

۲ مسند ج ۶ ص ۳۳۲۔ ۳ ایضاً ۳۳۳۔

۴ ایضاً ص ۳۳۲۔ ۵ ایضاً۔

۱۱۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اصلی نام زینب تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں، یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سعادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حیی ابن اخطب تھا جو قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرد تھا، سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی۔ اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنواسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنہوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا۔

لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو دحیہ کو دے دیا، وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب

کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں، چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح کر لیا[۱] خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی[۲] اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل ہو گئیں[۳]

عام حالات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بے حد مدد کی تھی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں، اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا، مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔[۴]

وفات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا، اور ایک ثلث کے لیے اپنے یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں۔[۵]

---

۱ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ما یذکر کتاب الصلوٰۃ
۲ (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶) ۳ (طبقات ج ۸ جزء نساء ص ۸۶)۔
۴ اصابہ ج ۱ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد۔ ۵ زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶۔

حلیہ:

کوتاہ قامت اور حسین تھیں[1]

فضل وکمال:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کو حضرت زین العابدینؒ، اسحاق بن عبداللہ بن حارثؒ، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صہیرہؓ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئیں تھیں، صہیرہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے، ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کا اکثر پوچھتے ہیں۔[2]

اخلاق:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ میں ہے:[3]

كانت عاقلة من عقلاء النساء. ''وہ نہایت عاقلہ تھیں''۔

زرقانی میں ہے:[4]

كانت صفية عاقلةً حليمة فاضلة.

''یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا عاقل، فاضل اور حلیم تھیں''۔

حلم وتحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ دیکھ کر چیخ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۴۸۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۷۷۔

[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۹۰۔ [4] زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶۔

اٹھتی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

لیکن ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہودیہ کہا، ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی ضرورت نہیں، اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش و اقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی: ''ہاں مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا''۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔[۱]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: ''کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی''۔ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں۔[۲] (یعنی اس میں تصنع کا شبہ نہیں ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو۔ انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔[۳]

---

[۱] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷۔ (وزرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)۔ [۲] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد۔

[۳] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد و (زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے[۱] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی' انہوں نے کہا کہ: "عائشہ اور حفصہ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں' ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ' موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔[۲]

سفر حج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں' آپ نے رداء اور دست مبارک سے آنسو پونچھے' آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے' اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں[۳]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سیر چشم اور رفیاض واقع ہوئی تھیں' چنانچہ جب امیر المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سونے کی بالیاں تقسیم کیں[۴]

کھانا بہت اچھا پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا' اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

---

[۱] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳۔ [۲] صحیح ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۳] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔ [۴] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔

۱۲۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا [1]

نام ونسب:

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔

نکاح:

ابوالعاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آنحضرت ﷺ نے مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنی سسرال میں تھیں۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے، عبداللہ بن جبیر انصاری نے ان کو گرفتار کیا، اور اس شرط پر رہا کیے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے۔[1]

ابوالعاص نے مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا، کیونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا اس لیے کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے۔ مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ سے زمین پر گرا دیا، وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ: ''اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا''۔ لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا: ''تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے''۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۰۔

انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے' ابوسفیان نے کہا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں' اب اگر تم ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے۔ ہم کو زینب کو روکنے کی ضرورت نہیں جب شوروہنگامہ کم ہوجائے اس وقت چوری چھپے لے جانا'' کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مکہ واپس آئے' چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے' زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ وہ بطن یاجج میں تھے۔ کنانہ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کیا' وہ ان کو لے کر روانہ ہوگئے۔[1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آئیں' اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ جمادی الاول ۶ھ میں ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا' مقام عیص میں قافلہ ملا' کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال واسباب لوٹ میں آیا۔ ان ہی میں ابوالعاص بھی تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال بھی واپس کرادیا۔

ابوالعاص نے مکہ جا کر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے' اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا' اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہوگئی تھی' وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں' ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا' لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اسی لیے حضرت عبداللہ

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳۔

بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی ہے[1]

وفات:

نکاح جدید کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت کم زندہ رہیں اور ۸ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ نے غسل دیا جس کا طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، خود قبر میں اترے اور اپنے نور دیدہ کو خاک کے سپرد کیا، اس وقت چہرہ مبارک پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے[2]

اولاد:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو اولادیں چھوڑی، علی اور امامہؓ، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی، لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی، فتح مکہ میں یہی آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے، امامہ رضی اللہ عنہا عرصہ تک زندہ رہیں، ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق وعادات:

آنحضرت ﷺ اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۔ [2] طبقات ج ۸ ص ۲۴ وصحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ وصحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ واسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸۔ [3] طبقات ج ۸ ص ۲۲۔

۱۳۔ ❷ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاجزادی ہیں جو ۳۳ھ قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:

پہلے ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی' یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے' آنحضرت ﷺ کی تیسری صاجزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی۔

اسلام:

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: "اگر تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے"۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردی۔

عام حالات:

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی' حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں' جب واپس آئیں تو مکہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی' چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک

عورت نے آ کر خبر دی کہ "میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ "ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے"۔[1]

اس مرتبہ حبشہ میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی، جہاں انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام کیا۔

وفات:

۲ھ غزوۂ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے، غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا۔[2] عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ نے مدینہ میں آ کر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: "عثمان بن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ"۔ اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر مارنے کے لیے اٹھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: "رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و بین شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہیے"۔

سیدہ عالم فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں، وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۷۔ [2] بخاری ج ۱ ص ۴۴۲۔

جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

اولاد:

حبشہ کے زمانۂ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ اسی کے نام پر تھی' چھ سال تک زندہ رہا' ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہو گیا' یہ جمادی الاول ۴ھ کا واقعہ ہے عبداللہ کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ:

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا خوبرو اور موزوں اندام تھیں' زرقانی میں ہے:[1]

كانت بارعة الجمال.

''وہ نہایت جمیل تھیں''۔

[1] دیکھئے استیعاب ج ۲ ص ۷۴۷' طبقات ج ۸ ص ۲۴ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۶ و ۴۵۷ و زرقانی ج ۳ ص ۲۲۶۔

۱۴۔ ③ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

یہ تیسری صاحبزادی ہیں، اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح:

۳ھ میں جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرلیا، بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے تامل کیا، لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے کہا: ''میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ، سے کردیتا ہوں''۔ بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ٦ برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے ساتھ رہیں۔

وفات:

شعبان ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید نے قبر میں اتارا[1]

اولاد:

کوئی اولاد نہیں ہے۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۵، ۲٦ وصحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱۔

۱۵۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام، زہرا لقب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے کم سن تھیں، سنہ ولادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ ۱؁ بعثت میں پیدا ہوئیں ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی، آپ کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ۱؁ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہوگیا ہوگا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہورہی تھی، پیدا ہوئیں، بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر ۱؁ بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ذی الحجہ ۲؁ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے ساتھ ان کا نکاح کردیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، ان کو بھی آپ ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے، لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں، لیکن اس کو نظر انداز کردیا ہے۔

بہرحال حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ

کی مرضی دریافت کی' وہ چپ رہیں' یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ بولے: کچھ نہیں' آپ نے فرمایا اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے' آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اس کو ۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نذر کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے' شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک' اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور میرے پاس جو کچھ ہے' سب آپ کا ہے' خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے' غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہِ مدینہؐ نے سیدۂ عالمؑ کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی' چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے' ایک چھاگل' دو مٹی کے گھڑے' ایک مشک اور دو چکیاں' اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نئے گھر میں جا بسیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے' دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا' پھر اندر آئے' ایک برتن میں پانی منگوایا' دونوں ہاتھ اس میں ڈالے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا' پھر حضرت فاطمہ کو بلایا' وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں' ان پر بھی پانی چھڑکا' اور فرمایا

کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔[1]

داغ بے پدری:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی کہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں' اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں' اس لیے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا۔ وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا' تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں' وہ رونے لگیں' پھر بلا کر کچھ کان میں کہا' تو ہنس پڑیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو کہا۔ ''پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آ کر ملو گی' تو ہنسنے لگی''۔[2]

وفات سے پہلے جب بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں واکرب اباہ' ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا''۔[3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی' اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ''جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا''۔[4] بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا''؟[5]

آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، ازواج مطہراتؓ، یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا' چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خالصہ جائیداد تھی اور اس میں قانون

---

[1] یہ تمام تفصیل صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱' طبقات ابن سعد ج ۸ زرقانی ج ۲ اور اصابہ ج ۸ سے ماخوذ ہے۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱۔

[4] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴۔ [5] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱۔

قانون وراثت جاری نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں' لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے۔ اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیونکر تقسیم کرسکتا ہوں' البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی[۱] (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئیں تھیں[۲])۔

وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو ۶ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کہ ''میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی'' پوری ہوئی' یہ منگل کا دن اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی' اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال' ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (۲۹) زیادہ صحیح ہے' اگر ۴۱ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا تھا' البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سنہ کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی' عورتوں کے جنازہ پر آج کل جو پردہ لگانے کا دستور ہے' اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی' اس سے پیشتر عورت اور

---

[۱] بخاری شریف ج ا ص ۵۲۶ و ج ۲ ص ۶۰۹۔ [۲] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۷۔

اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہاء کی حیا و شرم تھی، اس لیے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں، اسماءؓ نے کہا جگر گوشہ رسول! میں نے حبش میں ایک طریقہ دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو اس کو پیش کروں، یہ کہہ کر خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان کا کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہوگئی، حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے، حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینب کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسنؓ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں، ابن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مورخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔ مورخ موصوف نے ۳۳۲ھ میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا، جس میں لکھا تھا کہ ''یہ فاطمہ زہرا کی قبر ہے''[2] لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔[3]

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں، اس پر ابن ابی شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سلمٰی کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں، وہیں انتقال کیا، اور وہیں ان کو غسل دیا گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا،[4] آج حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر متفقہ طور پر عقیل ہی میں سمجھی جاتی ہے، چنانچہ محمد لبیب بک تبنونی نے جو ۱۳۲۷ھ میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمرکاب تھے، اپنے سفر نامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔[5]

اولاد:

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں، حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴۔ [2] خلاصۃ الوفا ص ۲۱۷۔
[3] طبقات ج ۸ ص ۲۰۔ [4] ایضاً ص ۱۸۔ [5] الرحلۃ الحجابیہ۔

محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا' حضرت زینبؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے نہایت محبت تھی' اور حضرت علیؓ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی رہی۔

حلیہ:

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارک جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو' لب ولہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا[1] اور رفتار بھی بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی۔[2]

فضل وکمال:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کتب حدیث میں ۱۸ حدیثیں منقول ہیں۔ جن کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے' حضرت علیؓ ابن ابی طالب' حضرت حسینؓ، حضرت حسنؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمیٰؓ، ام رافعؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر میں گئے تھے' واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا' ان کو عذر ہوا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا' اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی ہے۔[3]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے' چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' اس لیے حضرت فاطمہؓ نے دامن دامن پکڑا کہ وضو کر لیجیے' ارشاد ہوا۔ بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے' تمام اچھے کھانے آگ

---

۱ صحیح ترمذی ص ۶۳۶۔ ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۰۔ ۳ مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲۔

آگ ہی پر تو پکتے ہیں[1]

فضل وکمال:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی محبوب ترین اولاد تھیں، آپ[2] نے ارشاد فرمایا:

فاطمة بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی.[3]

''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا''۔

ابوجہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا، بارگاہ نبوت میں اطلاع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنی هشام بن مغیرة استاذنونی فی ان ینکحوا ابنتهم علی بن ابی طالب فلا اذن ثم لا اذن ثم لا آذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتهم فانماهی بضعة منی یریبنی ما رابها ویوذینی ما اذاها.

[صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷]

''آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہیں لیکن میں اجازت نہ دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس نے اس کو اذیت دی مجھ کو اذیت دی''۔

ان فاطمة منی وانا اتخوف ان تفتن فی دینها ثم ذکر صهرا ما من بنی عبدشمس فاثنی علیه فی مصاهرته ایاه قال حدثنی فصدقنی وعدنی فوفی لی وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن والله الا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله ابدا. [صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۸]

(اس کے بعد ابوالعاص بن ربیع کا جو آپ کے داماد تھے ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلایا اور جو وعدہ کیا وفا کیا، اور میں حلال کو

---

[1] مسند ج ۶ ص ۲۸۳۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۵۷۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲۔

حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا۔ لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں''۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

كفاك من نساء العالمين مريم بنت عمران و خديجة بنت خويلد وفاطمه بنت محمدٍ واسيه امرأة فرعون. [ترمذی کتاب المناقب]

''تمہاری تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ کافی ہیں۔''

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیدہ عالم کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے، لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں[1]

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں

---

[1] ابوداؤد۔

چھپاتی ہیں تو سر برہنہ ہو جاتا ہے۔ شعر ؎

یوں کی ہے بسر اہل بیت مطہرؓ نے زندگی — یہ ماجرائے دختر خیر الانامؐ تھا (شبلی)

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے' چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سونے کا ہار دیا' آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ ''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے''۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے' حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے' اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے' آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے' حضرت فاطمہ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے' بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے' آپ نے فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں' میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں''۔ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لیے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔[1]

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:[2]

"مارأيت احدا كان صدق بهجة من فاطمة الا ان يكون الذى ولدها صلى الله عليه وسلم.

''میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں''۔

حد درجہ حیادار تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو شرم سے

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲۔

لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ اسی بنا پر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خورد سال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی' قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کی' وہ اگرچہ اس وقت ۵۔ ۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں، اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۳۸ و ۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے' معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں' حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے' ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا' آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرادی' گھر سے مسرور نکلے' لوگوں نے پوچھا۔ آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی تو اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی' آپ نے فرمایا: بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا"۔

۱۶۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ابوالعاصؓ بن ربیع کی صاحبزادی ہیں جو زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئیں، آبائی شجرہ نسب یہ ہے۔ امامہؓ بنت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی ابن عبدشمس بن عبدمناف۔

عام حالات:

آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی۔ آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد میں امامہ رضی اللہ عنہا کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی، [۱] اللہ اکبر!

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا۔ امامہ رضی اللہ عنہا ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ زوج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا، بعض روایتوں میں ہار کی بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے [۲] اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آ گیا ہے یعنی نجاشی۔ [۳]

---

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۴ و زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵ [۲] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند احمد ابن حنبل۔

[۳] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷۔

نکاح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سن شعور کو پہنچ چکی تھیں' اس لیے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا' ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی خود انہی نے پڑھایا یہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔

۴۰ھ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبدالمطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہؓ سے نکاح کرلیں چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی' اس کے قبل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا تھا' اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کیے جائیں' لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح پڑھالیا[۱]

وفات:

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی[۲]

اولاد:

مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا' جس کا نام یحیٰی تھا' لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ واسد الغابہ ج ۵ ص ۴۰۰ واستیعاب ج ۲ ص ۷۲۸۔ [۲] اصابہ ج ۸ ص ۱۴۔

۱۷۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

صفیہ نام، عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا، جو حضرت آمنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) کی ہمشیرہ ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح:

ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی، جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا۔ جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام:

۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے: والصحیح انه لم یسلم غیرها [۱] یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

عام حالات:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں نے شکست

---

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲۔

کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چل دیئے''؟[۱] آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے تھے لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہوگئیں،[۲] اور مغفرت کی دعا مانگی۔ واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لیے ایک مرثیہ کہا، جس کے ایک شعر میں آنحضرت ﷺ کو اس طرح مخاطب کرتی ہیں:[۳]

ان یوما اتی علیک لیوم　　کورت شمسه و کان مضیاء

''آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہوگیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا''۔

غزوۂ احد کی طرح غزوۂ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا، انصار کے قلعوں میں فارع سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا، اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کے آبادی سے متصل تھا۔ مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کردیئے گئے تھے۔ یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کردیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا، حسانؓ سے کہا کہ اتر کر قتل کردو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ایک عارضہ ہوگیا تھا۔ جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کردیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب

---

[۱] طبقات ج ۸ ص ۲۸۔ [۲] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ و اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹

[۳] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹۔

اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ' حسانؓ نے کہا جانے دیجیے' مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تا کہ یہودی مرعوب ہو جائیں' لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کو انجام دینی پڑی' یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی[1]

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے' نہایت پردرد مرثیہ لکھا' جس کا مطلع یہ ہے:

لفقد رسول الله اذ حان یوم فیاعین جودی بالدموع السواجم

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا''

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے[2]

وفات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں' اس وقت تہتر برس کا سن تھا۔

فضل وکمال:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بقول صاحب اصابہ[3] کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں' لیکن ہماری نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ و ۲۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۳۔

[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹۔ [3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸۔

۱۸۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

برکتہ نام' ام ایمن کنیت' ام الظباء عرف' سلسلہ نسب یہ ہے:

برکتہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان' حبشہ کی رہنے والی تھیں' اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت ﷺ) کی کنیز تھیں۔ بچپن سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں' ان کے بعد خود سرور کائنات کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا' آنحضرت ﷺ کی ان ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی[1]

نکاح:

حارث بن خزرج[2] کے خاندان میں عبید بن زید ایک شخص تھے' ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا' لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ جو کہ محبوب خاص تھے نکاح پڑھایا۔ یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام:

حضرت زیدؓ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے' ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔

عام حالات:

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں' غزوہ احد میں شرکت کی' اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں' غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۱۲ و ۲۱۳۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۹ میں ایمنؓ کے متعلق مذکور ہے وھو رجل من الانصار۔

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ام ایمن رضی اللہ عنہا مغموم تھیں، اور رو رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔ جواب ملا: ''یہ خوب معلوم ہے اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں، رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا'' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے[1]

۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے وفات شہادت پائی، ام ایمن رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں اس لیے کہ اب اسلام کمزور پڑ گیا[2]

وفات:

ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد:

دو اولادیں ہوئیں، ایمنؓ اور اسامہؓ، ایمنؓ پہلے شوہر سے تھے، صحابی ہیں خیبر میں شہادت پائی، اسامہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا، نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند روایتیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، حنش بن عبداللہ صنعانی اور ابویزیدؓ مدنی داخل ہیں۔

اخلاق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ ''ام ایمنؓ میری ماں ہیں''۔ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کسی وجہ سے) متردد ہوئے، اس پر ام ایمنؓ ناراض

---

۱ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱۔ ۲ اصابہ ج ۸ ص ۲۱۴ بحوالۂ ابن سعد۔

ہوئیں[۱] (حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے کی وجہ سے ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی)[۲]

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے نخلستان دیئے تھے' جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ان انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کچھ باغ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا' اس پر مصر رہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے ۱۰ گنا زیادہ عطا فرمایا[۳]

---

۱ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱۔ ۲ نووی شرح مسلم ۳ صحیح بخاری ۔ زرقانی ج ۳ ص ۳۳۷

۱۹۔ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام، اسد بن ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی تھیں۔

نکاح:

ابوطالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام:

آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں تھیں، اور گو ان کے شوہر ایمان نہیں لائے، تاہم وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی، جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات:

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہؓ زہرا سے عقد ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی آتی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی[1]

وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷۔

فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو[1]۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیارؓ، طالب، عقیلؓ۔

اخلاق:

اصابہ میں ہے:

كانت امراء ة صالحة و كان النبى صلى الله عليه وسلم يزورها و يقيل فى بيتها[2]

''وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے''۔

---

[1] اسد الغابہ ج۵ ص ۵۱۷۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۰۔

۲۰۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

لبابہ نام، ام الفضل کنیت، کبریٰ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے:

لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن الہرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ، والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں، لبابہ کی حقیقی اور اخیافی کئی بہنیں تھیں، جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں، چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہؐ) کو سلمیٰ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (عم رسول اللہؐ) کو اور اسماءؓ حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں، اسی بنا پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سسرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح:

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں اور ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات:

ام الفضلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بھی کیا ہے، چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صائم ہونے کی نسبت شبہہ ہوا اور ان کے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۷۔

پاس آ کر ذکر کیا' تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا' آپ چونکہ روزہ سے نہ تھے۔ دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہوگئی۔

وفات:

ام الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی' اس وقت حضرت عباسؓ زندہ تھے' حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی' اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لیے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں' فضل' عبداللہ' معبد' عبیداللہ' قثم' عبدالرحمٰن اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگاریں ہیں' ان میں حضرت عبداللہؓ اور عبیداللہ آسمان علم کے مہر و ماہ تھے۔

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں' راوی حسب ذیل اصحاب ہیں' عبداللہ' تمام (پسران عباسؓ) انسؓ بن مالک' عبداللہ بن حارث بن نوفل' عمیر' کریب' قابوس۔

اخلاق:

عابدہ اور زاہدہ تھیں' ہر دوشنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں[1] آنحضرت ﷺ سے محبت کرتی تھیں' آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

---

[1] خلاصۂ تہذیب ص ۴۹۵۔

۲۱۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام معلوم نہیں، ام رومان کنیت ہے۔ قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس[1] سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے، ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع ابن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح:

عبداللہ بن سنجرہ سے نکاح ہوا اور انہی کے ہمراہ مکہ آ کر اقامت کی، عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن گئے تھے، اس بنا پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خود نکاح کرلیا۔

اسلام:

کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت:

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہوگئے تھے، لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا۔ مدینہ پہنچے تو وہاں سے زیدؓ ابن حارثہ اور ابورافع مستورات کو لانے کے لیے بھیجے گئے، ام رومان رضی اللہ عنہا بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

عام حالات:

شعبان ۶ھ میں افک کا واقعہ پیش آیا، (ام رومانؓ کے لیے یہ نہایت مصیبت کا

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۸۵۔

وقت تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر میکہ آئیں حضرت ابوبکرؓ بالاخانے پر تھے اور ام رومان نیچے بیٹھیں تھیں' پوچھا کیسے آئیں؟ حضرت عائشہؓ نے سارا واقعہ بیان کیا بولیں: بیٹی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کی سوتیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں''۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آواز سنی تو بالا خانہ سے اتر آئے اور خود بھی رونے لگے۔ پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومان رضی اللہ عنہا کو لے کر خود بھی روانہ ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اس صدمہ سے بخار آ گیا تھا۔ دونوں نے ان کو گود میں لٹایا' عصر پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ''عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین سے کہا آپ لوگ جواب دیں' لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ غرض حضرت عائشہؓ نے خود جواب دیا' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی' جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومانؓ بولیں کہ ''تم اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکر ادا کرتی ہوں[1]۔

اسی سنہ کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا' حضرت ابوبکرؓ اصحاب صفہ میں سے تین صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی' گھر آئے تو ام رومانؓ نے کہا مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا' غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ رہا تھا' حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں گنے سے زیادہ' چنانچہ اب اٹھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۶۹۹ و ۷۰۰۔

کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔[۱]

وفات:

حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے ۹ھ یا اس کے بعد انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ھ میں وفات پائی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد:

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ام رومانؓ نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام طفیل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اور عائشہؓ۔

---

۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۴ و ۸۵۔

۲۲۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔

نکاح:

یاسر عبسی سے کہ ابوحذیفہ کے حلیف تھے' نکاح ہوا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا[1]

اسلام:

ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی' تو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ' یاسر رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا' تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا۔ کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بہ تدریج بڑھتا گیا۔ چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے' لیکن ان کے عزم واستقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرتے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے' آل یاسر! صبر کرو اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ واستیعاب ج ۲ ص ۷۵۹۔

شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی' ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جان بحق تسلیم ہوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را | بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا اب حد ہوگئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ''خداوندا! آل یاسر کو جہنم سے بچا'' یہ واقعہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کا ہے' اس بنا پر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔[1]

غزوۂ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا''[2]

[1] استیعاب ج ۲ ص ۷۶۰۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالۂ ابن سعد۔

۲۳۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

سہلہ یا رملہ نام، ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصا لقب، سلسلہ نسب یہ ہے: ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، ماں کا نام ملیکہ[1] بنت مالک بن عدی بن زید مناۃ تھا۔ آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں۔ سلمیٰ، عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں اسی بنا پر ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح:

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور ام سلیمؓ تبدیلی مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہوکر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن ام سلیم کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابوطلحہ مشرک تھے۔ اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کرسکتی تھیں۔

غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کرکے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیم کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا، حضرت ام سلیم نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کردو[2] ساتھ ہی مہر معاف کردیا اور کہا ''میرا مہر اسلام ہے'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۴۔ [2] اصابہ بحوالہ ابن سعد۔

تھے کہ یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا۔

عام حالات:

نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ام سلیم اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لے کر حضور میں آئیں اور کہا ''انیس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لیے دعا فرمائیں'' آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی[۱]

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کی، اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں[۲] ہوا۔ غزوات میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے[۳]

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغز و بام سلیم و نسوۃ من الانصار مع اذا عزا فیسقین الماء و یداوین الجرحیٰ.

''آنحضرت ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے، جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں''۔

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے، وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں، اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں[۴]

۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس موقع پر حضرت ام سلیم نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں[۵]

۷ھ میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اس میں شریک تھیں، آنحضرت

۱؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۴۔ ۲؎ بخاری۔ ۳؎ مسلم ج ۲ ص ۱۰۳۔
۴؎ صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱۔ ۵؎ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۵۔

نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیمؓ ہی نے حضرت صفیہ کو آنحضرتؐ کے لیے کے لیے سنوارا تھا[۱]

غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لیے تھیں۔ ابوطلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ ام سلیم خنجر لیے ہیں آپؐ نے پوچھا کیا کروگی؟ بولیں ''اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی'' آنحضرتؐ یہ سن کر مسکرادیئے حضرت ام سلیمؓ نے کہا یارسول اللہ مکہ کے قریب جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجیے' ارشاد ہوا ''خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے''[۲]

وفات:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں' لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا انہوں نے دو نکاح کیے تھے' پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے حضرت ابوطلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے' ابوعمیر اور عبداللہ' ابوعمیر صغرسنی میں فوت ہو گئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل وکمال:

حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں' جن کو حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ، زید بن ثابت، ابوسلمہ اور عمرو بن عاصم نے ان سے روایت کیا ہے لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تھا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حاکم مانا[۳]

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئیں۔ اور کہا یارسول اللہؐ خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب

---

[۱] ح ۵ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۵۔ [۲] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۳۔ [۳] مسند ج ۶ ص ۴۳۰ و ۴۳۱۔

واجب ہے، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ یہ سن رہی تھیں، بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں[1]

اخلاق:

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے، جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے، حضرت ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک تھے اس موقع پر انہوں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے:

قالت یا اباطلحةؓ! الست تعلم ان الهك الذی تعبد نبت من الارض قال بلی قالت افلا تستهی عبد شجرة. (اصابہ ج۸ ص۲۴۳ بحوالہ مسند)

''ام سلیمؓ نے کہا ابوطلحہؓ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اُگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟

حضرت ابوطلحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں[2]

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔[3]

---

[1] مسند ج۶ ص۲۹۲ و ۳۰۶ (۳۷۶ ج ۶) [2] صحیح بخاری ج۲ ص۹۲۹۔ [3] مسند ج۶ ص۳۷۶۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے خاص محبت تھی، صحیح مسلم میں ہے[1]

كان النبی صلی الله عليه وسلم لا يدخل علی احد من النساء الا علی ازواجه الا ام سليم فانه يدخل عليها فقيل فی ذالك فقال انی رحمها قتل اخوها معی.

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے لیکن ام سلیم رضی اللہ عنہا مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے، ان کے بھائی (حرامؓ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں، ابوعمیر ان کا بہت لاڈلا اور پیارا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر نہ کریں، رات کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور اطمینان سے بستر پر لیٹے، کچھ رات گزرنے پر ام سلیمؓ نے واقعہ کا تذکرہ کیا، لیکن عجیب انداز سے بولیں اگر تم کو کوئی شخص عاریۃً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو گے؟ ابوطلحہؓ نے کہا کبھی نہیں، کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ ابوطلحہؓ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا۔ صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی[2]

اسی طرح ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں کچھ بھیج دو، حضرت ام سلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس کو دیں کہ آنحضرتؐ

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲۔

کی خدمت میں پیش کر دیں، آپ مسجد میں تے اور صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، حضرت انس کو دیکھ کر فرمایا، ابوطلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں، فرمایا کھانے کے لیے؟ کہا ہاں، آپ تمام صحابہ کو لے کر ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے، ابوطلحہؓ دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا بہت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں، حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں، آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے [1]

حضرت ام سلیمؓ کے فضائل و مناقب بہت ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں [2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۰۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲۔

۲۴۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نسیبہ نام' ام عمارہ کنیت' قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں' نسب نامہ یہ ہے:
ام عمارہؓ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح:

پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی' سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں' حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا بھی ان ہی میں شمار ہے۔

غزوات:

غزوۂ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں' جب تک مسلمان فتح یاب تھے' وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں' لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں' کفار جب آپ پر بڑھتے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بیان ہے کہ میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا' ابن قمیہ جب دراتا ہوا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا' چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے کارگر نہ ہوئی۔[1] بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں

---

[1] ابن ہشام ص ۸۴۔

نے ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ احد کے بعد بیعت الرضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ میں پیش آئی مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا، مقابلہ تھا، حضرت ام عمارہؓ نے اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لے کر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسیلمہ نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا، تو انہوں نے منت مانی کہ "یا مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دے دیں گی" یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس جنگ میں مسیلمہ میں بھی مارا گیا۔

وفات:

اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد:

وفات کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں، حبیب، عبداللہ (پہلے شوہر سے) تمیم، خولہ (دوسرے شوہر سے)۔

فضل و کمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلے (کنیز) عکرمہ، حارث ابن کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے لیکن اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا۔ ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ، بولیں میں روزہ سے ہوں آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔[1] جوش اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہوسکتا ہے۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۶۵۔

۲۵۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نسیبہ بنت حارث نام' انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں [۱]

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی' چوری اور زنا سے بچیں گی' اولاد کو قتل نہ کریں گی' کسی پر بہتان نہ باندھیں گی' اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی' عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا' اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی' اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نوحہ اور بین نہ کرنا [۲]

غزوات اور عام حالات:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتی' ان کے سامان کی حفاظت کرتی' مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں [۳]

۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا' تو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہلانے کی ترکیب بتلائی [۴]

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۱' ۳۲۲۔ ۲۔ مسند ج ۶ ص ۴۰۹۔

۳۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۔ ۴۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۸ (و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ و ۳۴۷)

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا' بیمار ہو کر بصرہ آیا' حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں' خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں' لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پا چکا تھا' یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا' تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگوا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے[1]

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی[2]

وفات:

وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل و کمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں' راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

حضرت انسؓ، ابن سیرین، حفصہ بنت سیرین، اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیہ عبدالملک ابن عمیر، علی ابن الاقمر، ام شراحیل۔

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے[3]

اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں' اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس روانہ کیا' آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لیے مانگا۔ بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے نسیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا لاؤ' کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی[4]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ (باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا) [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۳۔

[3] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۵ (اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹) [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۱۔

چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علی حضرت عطیہ رضی اللہ عنہما کے مکان میں قیلولہ فرماتے تھے۔[1]

احکام نبوی ﷺ کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی، اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا۔ چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں۔ اس لیے مجھ کو بھی ان کے ہاں جا کر رہنا ضروری ہے، آپ ﷺ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجیے۔ چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کر دیا۔[2] (بعض روایات میں ہے حضور ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لیے خاص تھا۔ ورنہ اصل مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ابھی گزر چکا ہے۔[3]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹۔ [2] مسند ج ۶ ص ۲۰۷۔

[3] مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۱۴۔

۲۶۔ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ربیع نام، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار، والدہ کا نام ام تزید تھا جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھی، حضرت ربیعؓ اور ان کے بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں [۱]

اسلام:

ہجرت کے قبل مسلمان ہوئیں۔

نکاح:

ایاس بن بکر لیثی سے شادی ہوئی، صبح کو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے، لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں، اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے جن میں ایک مصرع یہ تھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد.

''اور ہم میں وہ ہی ہے جو کل کی بات جانتا ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو (اس کے علاوہ جو کہتی تھیں وہ کہو) [۲]

عام حالات:

غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں [۳]

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۱۸۔ ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰۔ ۳ مسند ج ۶ ص ۳۵۸۔

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں، جب بیعت رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آ کر بیعت کی ۳۵ھ میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں، شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ، چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا، صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی، حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ اور شوہر سے فرمایا تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو[1]

وفات:

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

اولاد:

اولاد میں محمد مشہور ہیں۔

فضل وکمال:

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں، علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت زین العابدینؒ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے[2] راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں، مثلاً عائشہؓ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ابن یاسر کے پوتے) محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان۔

اخلاق:

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی، چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی، اور ان کا نام و نسب دریافت کیا، چونکہ ربیع کے بھائی نے ابوجہل کو بدر میں قتل کیا تھا، اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی، بولی ''تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو''؟ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کی نسبت

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۸۰ بحوالہ ابن سعد۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۵۸۔

سردار۔ لفظ نہایت ناگوار ہوا۔ بولیں ''سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں'' اسماء کو ابوجہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی، جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے برجستہ کہا، مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر عطر نہیں بلکہ گندگی ہے[1]

آنحضرتؐ سے بے انتہا محبت تھی، آپؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے[2] ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لیے پانی مانگا۔[3] ایک مرتبہ دو طاقوں میں چھوہارے اور انگور لے کر گئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں ''بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے''۔[5]

---

[1] اسد الغابہ ج۵ ص۴۵۲۔ [2] مسند ج۶ ص۳۵۸۔ [3] ابوداؤد ج۱ ص۱۳۔

[4] مسند ج۶ ص۳۵۹۔ [5] اسد الغابہ ج۵ ص۴۵۲۔

۲۷۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، اس بنا پر حضرت علی، حضرت جعفر طیار اور ام ہانی رضی اللہ عنہم حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح:

ہبیرہ بن عمرو (بن عائذ) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا مسلمان ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا، اور چاشت کی نماز پڑھی تھی، انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو پناہ دی،[1] ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات:

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں، تہذیب میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، عمرو، ہانی، یوسف، جعدہ۔

فضل وکمال:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۳۴۲۔

ہیں، جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابومرہ، ابوصالح، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں، جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی، وتاتون فی نادیکم المنکر[1]

اخلاق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو عقیدت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا، اس کے بعد ان کو دیا (انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جوٹھا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ سے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے[2])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا، ام ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے[3]

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وظیفہ بتلایا (سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو[4])

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۴۱۔ [2] ایضاً ص ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۳۴۴۔

۲۸۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام، ام جمیل کنیت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔

نکاح:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اور انہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔ اور ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، اور ان ہی کے سبب سے ہوئے۔ اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی، پوچھا تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اختیار کرلیا ہے؟ بولے ہاں، لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب قبول کرلیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا، اور وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں، اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوگئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہوگیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا، عمر! جو ہو سکے کرو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر ایک خاص اثر کیا،

بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا' ان کے بدن سے خون جاری تھا' یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی' فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے' مجھ کو بھی سناؤ' فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھا تا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله[1]

ہجرت:

اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات:

وفات کا سنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد:

ایک لڑکا چھوڑا' عبدالرحمٰن نام تھا۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۱ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۵۴۔

۲۹۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اسماء نام، قبیلہ خثعم سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن معاویہ بن زید بن مالک ابن بشیر بن وہب اللہ بن شعران بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا۔ اور قبیلہ کنانہ سے تھیں، اس بنا پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) اور اسماء رضی اللہ عنہا اخیافی بہنیں تھیں۔

نکاح:

حضرت جعفرؓ سے کہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

اسلام:

آنحضرت کے خانۂ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا[1]

عام حالات:

حبشہ کی ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں، ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، پوچھا یہ کون ہیں، جواب ملا اسماء بولے "ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی" حضرت اسماءؓ نے کہا "ہاں وہی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ فقرہ سن کر غصہ آیا، بولیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی، ہم نہایت دور دراز

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ا ص ۱۳۶، اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد۔

مقام میں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں"۔

آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا' ارشاد ہوا: "انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں۔ اس لیے تم کو زیادہ فضیلت ہے" حضرت اسماءؓ اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتیں تھیں' مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے[1]

۸ھ غزوہ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی (حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور آبدیدہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ غمگین کیوں ہیں۔ کیا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے' حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں' بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھی' حضورؐ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی) آنحضرتؐ اپنے (اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا' جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔[2]

اس کے بعد مسجد میں جا کر غم زدہ بیٹھے' اور اس خبر کا اعلان کیا' اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ آپؐ نے ان کو منع کرا بھیجا' وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی' آپ نے ارشاد فرمایا "تو ان کے منہ میں خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے' صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی"،[3] تیسرے[4] دن آنحضرت ﷺ اسماء کے گھر تشریف لائے' اور سوگ کی ممانعت کی'

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۷ و ۶۰۸۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۷۰۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱۔
[4] مسند ج ۶ ص ۳۶۹۔

تقریباً ۶ مہینے کے بعد شوال[۱] ۸ھ میں غزوہ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کا نکاح پڑھا دیا[۲] جس کے دو برس بعد ذوقعدہ ۱۰ھ میں محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اسماءؓ نے دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں[۳]

آنحضرتؐ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الجنب تشخیص کر کے دوا پلانا چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، اسی ممانعت میں غشی طاری ہوگئی، انہوں نے منہ کھول کر پلا دی، افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا ''مشورہ اسماءؓ نے دیا ہوگا۔ وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں، عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے'' چنانچہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو دوا پلائی گئی[۴]

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی تو وصیت کی کہ اسماء غسل دیں۔[۵] حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد نکاح میں آئیں، محمد بن ابوبکر بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی، ایک دن عجیب لطیفہ ہوا۔ محمد بن جعفرؓ اور محمدؓ بن ابوبکر نے باہم فخراً کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔ بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفر رضی اللہ عنہ کو اور تمام بوڑھوں پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فضیلت حاصل ہے۔ حضرت علیؓ بولے پھر ہمارے لیے کیا رہا'' [۶]

۳۸ھ میں محمد بن ابوبکر مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ آیا، لیکن نہایت صبر سے کام لیا، اور مصلٰی پر کھڑی ہوگئیں[۷]

---

۱ (جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کا ۴ ماہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہئے مسئلہ یہی ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے شبہہ میں نہ پڑنا چاہئے اس لئے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور اجماع اس کے مخالف امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۹ ان کے سوا اور بہت سے جوابات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے)۔

۲ اصابہ ج ۸ ص ۹۔ ۳ صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۵ و ۳۹۴۔ ۴ صحیح بخاری ج ۲ و طبقات ج ۲ قسم ۲ ص ۳۱ و ۳۲ و مسند ج ۶ ص ۴۳۸۔ ۵ اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد۔ ۶ اصابہ ج ۸ ص ۹۔ ۷ ایضاً۔

وفات:

۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اوران کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا[1]

اولاد:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت اسماءؓ نے ۳ نکاح کیے' چنانچہ حضرت جعفرؓ سے محمد' عبداللہ' عون' حضرت ابوبکرؓ سے محمد' اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے[2]

ریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے دولڑکے ہوئے تھے' یحییٰ اور عون'[3] لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔

فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں' جن کے راویوں کے نام یہ ہیں' حضرت عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، ابن عباسؓ، قاسم بن محمد، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ، ابن مسیّب، ام عون بنت محمد بن جعفر، فاطمہؓ بنت علی، ابویزید مدنی۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں' آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لیے ان کو ایک دعا بتائی تھی[4]

ایک مرتبہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلا دیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دبلے کیوں ہیں' اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے' فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو' حضرت اسماء کو ایک منتر یاد تھا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا' فرمایا: ہاں ''یہی سہی''[5]

حضرت اسماء کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا' چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے[6]

---

[1] خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۷۲۵۔ [3] ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۶۴۹۔
[4] مسند ج ۶ ص ۳۶۹۔ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۳۔ [5] اصابہ ج ۸ ص ۹

۳۰۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اسماء نام ذات النطاقین لقب، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔ ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:

حضرت زبیرؓ بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی، ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارواں نمبر تھا۔

عام حالات:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ رفیق صحبت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے، اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا، جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔ ابوقحافہ کہ ان کے والد تھے، معلوم ہوا تو بولے کہ انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی، حضرت اسماءؓ نے کہا وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں، یہ کہہ کر اٹھیں اور جس جگہ حضرت

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۳، ۵۵۵۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا' پھر ابو قحافہ کو لے کر گئیں اور کہا ٹٹول لیجیے' یہ دیکھئے یہ رکھا ہے۔ ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لیے مان گئے اور کہا کھانے کے لیے بہت ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی آئیں[2] قبا میں قیام کیا' یہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو گود میں لیا' گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی[3]

عبداللہ بن زبیر جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو طلاق دے دی تھی[4]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک پیا تھا۔ اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے' ادھر سلطنت بنو امیہ کا فرمانروا (یزید) سرتاپا فسق و فجور تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی' چونکہ حضرت عبداللہ کی عظمت وجلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہا اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا' لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کرلیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔

شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت اسماءؓ کے پاس آئے' وہ بیمار تھیں پوچھا ''کیا حال ہے؟'' بولیں ''بیمار ہوں'' کہا ''آدمی کو موت کے بعد

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۵۰۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۲۲۹، طبقات ج ۸ ق اص ۱۶۱ و تہذیب ج ۵ ص ۲۱۴۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۵۔ [4] فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲۔

آرام ملتا ہے'' حضرت اسماءؓ نے کہا'' شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے' لیکن میں ابھی مرنا پسند نہیں کرتی' میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو اور میں صبر کروں' یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں'' ابن زبیر ہنس کر چلے گئے' شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے' وہ مسجد میں بیٹھی تھیں صلح کے متعلق مشورہ کیا' بولیں'' بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں۔ کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے'' حضرت ابن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہادت حاصل کی۔ حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا' ۳ دن گزرنے پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں' لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا'' کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا''[۱]

حجاج کو چھیڑ منظور تھی' آدمی بھیجا کہ ان کو جا کر لائے' حضرت اسماءؓ نے انکار کیا' اس نے پھر آدمی بھیجا کہ'' ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال گھسیٹ کر لائے گا''

حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں' جواب دیا میں نہیں جا سکتی حجاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی' حجاج نے کہا'' کہیے میں نے دشمن خدا (ابن زبیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا'' حضرت اسماء بولیں'' تو نے اس کی دنیا بگاڑی اور اس نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو اس کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے' خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں میں نے نطاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا' چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے'' حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا[۲]

چند دنوں بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان

---

[۱] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۳ ، استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶۔ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۵۔

میں پھینکوادی' حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ابن زبیر کا جوڑ جوڑ الگ تھا' نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا' لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات:

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔[1] چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد ہوئی' عبداللہ' منذر' عروہ' مہاجر' خدیجۃ الکبریٰ' ام الحسن' عائشہ[2]

حلیہ:

حضرت اسماءؓ بایں ہمہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہ گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے[3] دراز قد اور لحیم شحیم تھیں' اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی[4]

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماءؓ نے ۵۶ حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں' راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

عبداللہؓ، عروہ (پسران) عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر، ابن زبیرؓ، عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباسؓ، صفیہ بنت شیبہ' ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان' ابوبکر و عامر (پسران ابن زبیرؓ)، مطلب بن حنطب' محمد بن منکدر' مسلم معری' ابونوفل ابن ابوعقرب۔

---

[1] استیعاب ج ا ص ۳۶۶۔ [2] طبری ج ۳ ص ۲۴۶۱ اور الریاض النضرہ ص ۲۷۹ و ۲۸۰۔

[3] اصابہ ج ۸ ص ۸۔ [4] مسند ج ۶ ص ۳۴۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۳۔

اخلاق:

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہئے[1] لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غش آ گیا' اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی[2] ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے' وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں' وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا' حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ ''امیر کہاں ہے'' معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں' اس نے دیکھتے ہی کہا ''تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا۔ اس لیے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا'' حضرت اسماء نے برجستہ جواب دیا تو جھوٹا ہے۔ وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم' پارسا اور شب بیدار تھا[3]

نہایت صابر تھیں' حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک قیامت تھی جوان کے لیے قیامت کبریٰ بن گئی تھی۔ لیکن اس میں انہوں نے جس استقلال' جس صبر اور جس تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں' حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

۱؎ مسند ج ۶ ص ۳۴۹۔ ۲؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۴۔

۳؎ مسند ج ۶ ص ۳۵۱۔

بایں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے کو دانہ دیتی۔ پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی، اس لیے آٹا گوندھ کر رکھتیں اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوگئی آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں گھر آ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا انہوں نے کہا ''سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی''؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا۔ اسی وقت حضرت اسماء کی مصیبت کم ہوئی، کہتی تھیں ''فکأنما اعتقنی'' یعنی گویا ابوبکرؓ نے مجھے آزاد کر دیا۔[1]

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا۔ اس وقت یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں۔[2]

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی۔[3] بیمار پڑتیں تو اپنے غلام آزاد کر دیتی تھیں،[4] حضرت زبیر کا مزاج تیز تھا اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔[5]

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۶۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۵۲۔ [3] صحیح بخاری ہبۃ الواحد للجماعت۔
[4] خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸۔ [5] مسند ج ۶ ص ۳۵۳۔

آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کرسکتی ہوں؟ ارشاد ہوا "ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)[1]

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کیے، پہلا حج آنحضرتؐ کے ساتھ کیا تھا،[2] اس میں جو کچھ دیکھا تھا،[3] ان کو بالکل یاد تھا، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب حج کے لیے آئیں، اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ پھر اپنے غلام سے پوچھا "چاند چھپ گیا" اس نے کہا نہیں، جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لیے چلو، رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی، اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی، فرمایا آنحضرتؐ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے،[4] جب کبھی حجون سے گزرتیں، کہتیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے، اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔[5]

نہایت بہادر تھیں، اخلاقی جرأت کے چند واقعات اوپر گزر چکے ہیں، سعید بن عاص کے زمانۂ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا، اور بدامنی شروع ہوگئی، تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا، لوگوں نے پوچھا، اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی۔[6]

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا چرچا تھا۔ لوگ ان سے دعا کراتے تھے، جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لیے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔[7] (حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[8]) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرت ﷺ کا جبہ (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں۔ اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔[9]

۱؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۴ ۲؎ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۹۔ ۳؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷۔
۴؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷۔ ۵؎ ایضاً۔ ۶؎ ذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۶۱۔
۷؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲۔ ۸؎ ایضاً باب الحمی من فیح جہنم۔ ۹؎ مسند ج ۶ ص ۳۴۸۔

۳۱۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام' سلسلہ نسب یہ ہے' فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ ابن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر' والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں۔

نکاح:

ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں۔

ہجرت:

اور ہجرت کی۔

عام حالات:

صفر ۱۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے ابوعمرو بھی ان کے ساتھ تھے چلتے وقت عیاش ابن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دوطلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵۔۵ صاع جو اور خرمے بھیجے' حضرت فاطمہؓ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا ہے محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں اس جواب پر فاطمہ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں' خالد بن ولید وغیرہ بھی پہنچے' آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنی مرتبہ طلاق دی' بولیں ۳ مرتبہ' فرمایا اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا[1] تم ام شریک کے ہاں عدت کے

---

[1] (عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے' حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بڑی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے)

دن پورے کرو، لیکن چونکہ ام شریکؓ کے عزیز و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابن مکتوم نابینا اور تمہارے ابن عم ہیں اس لیے بہتر ہے۔ کہ تم ان کے ہاں رہو'، عدت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے، امیر معاویہؓ، ابوجہم اور اسامہ بن زیدؓ نے بھی پیغام دیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لیے مسترد کردیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے تند مزاج تھے پھر فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اسامہؓ سے نکاح کرلو چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خیال تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے، اس لیے انکار کیا، ارشاد ہوا ''خدا اور رسول کی اطاعت کرو اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے''۔ یہ سن کر فاطمہ مجبور ہوئیں، اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کرلیا کہتی ہیں کہ پھر میں قابل رشک بن گئی[1]

۲۳ھ میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے مکان میں ہوا تھا[2]

۵۴ھ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا، فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا، دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاک کے ساتھ رہیں، جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو فاطمہ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔

وفات:

وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھیں[3]

حلیہ:

خوبصورت تھیں[4]

فضل وکمال:

اسد الغابہ میں ہے۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵ مسند ج ۶ ص ۴۴۱۱، ۴۴۱۲، ۴۴۱۳۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۶۔
[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۶۔ [4] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۴۔

لھا عقیل و کمال. (ص ۵۲۶ ج ۵)

''یعنی وہ نہایت عقیل اور صاحب کمال تھیں''۔

حضرت سعید بن زید کی صاحبزادی، عبداللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ، مروان نے قبیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قبیصہ نے آ کر کہا آپ ایک عورت کو ایام عدت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، بولیں اس لیے کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا۔ اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو ان کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ [سورۃ الطلاق:۱]

یہ مراجعہ کی صورت تھی، اس کے بعد ہے۔

﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾

''پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح روکے رکھو یا اچھی طرح جدا کرو''۔

اس بنا پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہیے۔ اس لیے اس کو روک رکھنا بالکل بے کار ہے۔ (جب مروان کو حضرت فاطمہ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں، چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گزاری[1])۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۴ و مسند ج ۶ ص ۴۱۵ و ۴۱۶۔

فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں' جو متعدد اشخاص کے ذریعہ سے مروی ہیں' ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد' ابوبکر بن ابوالجہم' ابوسلمہ' سعید بن مسیب' عروہ' عبداللہ بن عبداللہ' اسود' سلیمان بن یسار' عبداللہ البہی' محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان' شعبی' عبدالرحمٰن ابن عاصم' تمیم۔

اخلاق:

عادات و اخلاق نہایت شریفانہ تھے' شعبی جوان کے شاگرد تھے' ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا۔[1]

---

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۵۸۵۔

۳۲۔ حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

شفاء نام، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، شفاء بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی ابن کعب بن لوی، والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح:

ابوحثمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں[1]

عام حالات:

آنحضرتؐ سے ان کو بہت محبت تھی، آپؐ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک علیحدہ بچھونا اور ایک تہمد رکھ چھوڑی تھی۔ چونکہ ان میں آنحضرتؐ کا پسینہ جذب ہوتا تھا، یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں، حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا۔ لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں[2] آنحضرتؐ نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں[3] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں چنانچہ ابن سعد میں ہے:

کان عمر یقدمها فی الرائی ویرعاها ویفضلها وربها ولا شیئا من امر السوق۔[4]

''حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶۔ اصابہ ج ۸ ص ۱۲۱۔

[3] اصابہ ص ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد۔ [4] اصابہ ص ۱۲۱

ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے"۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے' سلیمان اور ایک لڑکی جو شرجبیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل وکمال:

جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں' جھاڑ پھونک اور لکھنا' جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرتؐ سے انہوں نے استفتاء کیا تھا' آنحضرتؐ نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حفصہ کو بھی سکھا دو لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا[1] چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں" بسم الله صلو صلب جبر تعوذا من اقواهها فلا تضر احدا اللهم اكشف الباس رب الناس.[2]

حضرت شفاء نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک ۱۲ ہے' راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابوبکر وعثمان اور ابوسلمہ' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ابواسحاق شامل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے:[3]

کانت من عقلاء النسا و فضلا ئهن. "یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں"

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی' تو بولیں تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں' ان کو مجھ سے بہتر چادر دی' حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی' تمہاری بنت عم بھی ہوں' اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ رسول اللہؐ سے نسباً قریب تر ہیں۔[4]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۷۲۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۷۔ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶۔
[4] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۷ حالات عاتکہ۔

۳۳۔ حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زینبؓ نام، رائطہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے زینب بنت عبداللہ ابی معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم ابن ثقیف۔

نکاح:

حضرت عبداللہ بن مسعود سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینب رضی اللہ عنہا دستکار تھیں، اس لیے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ وخیرات سے روک رکھا ہے۔ جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو۔ مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور عرض کی کہ میں دستکار ہوں، اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس بنا پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے[1]

عام حالات:

حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سال وفات کا بھی یہی حال ہے۔

اولاد:

ابوعبیدہ جو اپنے زمانے کے مشہور محدث گزرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر تھے۔

---

[1] صحیح مسلم۔

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں روایت کیں راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں' ابوعبیدہ' عمرو بن حارث بن ابی ضرار' بسر بن سعید' عبید بن سباق' کلثوم' محمد بن عمرو بن حارث۔

اخلاق:

بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا' اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں' ایک دن وہ آپ کے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھی۔ مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں ایک مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو' کام بھی کرو اور گفتگو بھی[1]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۶۳۔

۳۴۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اسماء نام' ام سلمہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں' آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے' انہوں نے عرض کی کہ "مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں' خدا نے آپ کو مرد وعورت سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے' ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ ہم پردہ نشین ہیں' اس لیے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوسکتیں اور مرد جمعہ اور جماعت میں شریک ہوتے ہیں' مریضوں کی عیادت کرتے ہیں' نماز جنازہ پڑھتے ہیں' حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتی ہیں' گھروں کی حفاظت کرتی ہیں' کپڑوں کے لیے چرخہ کاتتی ہیں' تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں' آپ نے اسماء کو جواب دیا کہ عورت کے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے' اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے' عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے [۱]

---

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸ واستیعاب ج ۲ ص ۷۲۶۔

جامع ترمذی، ابن سعد اور مسند ابن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے، مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں، جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں، فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے، حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں، اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم زیور نہ پہنیں گی تو شوہر بے وقعت سمجھے گا۔ ارشاد ہوا ''تو پھر چاندی کے زیور بنواؤ اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے''۔

غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے زبانی چند اقرار کرائے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں اپنا ہاتھ بڑھایئے، فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا[1]

عام حالات:

۱ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا، ان میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی داخل تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی، آپ ﷺ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا، حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں لے لو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو واپس کر دیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دیا، انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا ''بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی؟''[2]

---

[1] ان واقعات کے لیے دیکھئے مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۱۔ [2] ج ۶ ص ۴۵۸۔

۱۵ھ میں یرموک کا واقعہ پیش آیا، اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا۔[۱]

وفات:

یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم نہیں ہے۔

فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جن کے راوی اصحاب ذیل ہیں، محمود بن عمرو انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، اسحاق بن راشد لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق:

استیعاب میں ہے:

كانت من ذوات العقل والدين.

''یعنی وہ عقل اور دین میں دونوں سے متصف تھیں''۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں،[۲] ایک مرتبہ ناقہ غضباء کی مہار تھامے تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی، ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائیں۔[۳]

حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوتیں، ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کہرام مچ گیا، آنحضرت ﷺ دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھی، فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بے تاب ہو جاتے ہیں پھر دجال کے زمانہ میں جب قحط پڑے گا۔ اس پر کیونکر صبر کرسکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا

---

۱ اصابہ ج ۸ ص ۱۳۔ ۲ مسند ج ۶ ص ۴۵۹۔ ۳ ایضاً ص ۴۵۵ و ۴۵۸۔

اس دن تسبیح اور تکبیر بھوک سے بچائے گی' پھر کہا رونے کی ضرورت نہیں' اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا' ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔[1]

مہمان نواز تھیں ایک بار حضرت شہر بن حوشب آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا حضرت شہر بن حوشب نے انکار کیا تو آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار مناسب نہیں ہے' انہوں نے کہا اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا)۔[2]

---

[1] مسند ج ٦ ص ٤٥٣، ٤٥٤۔ [2] ایضاً ص ٤٥٨۔

۳۵۔ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ام الدرداء دو تھیں، اور دونوں حضرت ابودرداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابوحدرد اسلمی کی صاحبزادی تھیں۔

وفات:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی یہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔

فضل وکمال:

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

کانت من فضلی النساء وعقلائھن وذوات الرای فیھن۔[1]

''وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابودرداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مہران ہیں، جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے، حافظ ابن عبدالبر نے بعض اور راویوں کے نام بھی لکھے ہیں، لیکن یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے ام الدرداء کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق:

نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں[2]

---

[1] اصابہ ج۸ ص۷۳۔ [2] ایضاً۔

۳۶۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں، باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہمشیرہ تھیں۔

نکاح:

عکرمہ بن ابوجہل سے (جوان کے ابن عم تھے) شادی ہوئی۔

عام حالات:

غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا، ان کا خسر (ابوجہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا، شوہر (عکرمہ) کی رگوں میں بھی اس کا خون دوڑتا تھا۔ ماموں (خالد) بھی مدت سے اسلام سے برسر پیکار رہ چکے تھے لیکن بایں ہمہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اپنی فطری سلامت روی کی بناپر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی، ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے۔ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا۔ غرض یمن جا کران کو واپس لائیں، اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہؓ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔

نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جانبازی سے لڑے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، ام حکیمؓ کو لے کر شام گئے اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہادت حاصل

کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالدؓ بن سعید بن العاص سے نکاح کیا' ۴۰۰ دینار مہر باندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا' حضرت ام حکیمؓ نے خالدؓ سے کہا کہ ''ابھی توقف کرو''۔ لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے غرض ایک پل کے پاس جواب قنطرہ ام حکیم کہلاتا ہے رسم عروسی ادا ہوئی' دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آپہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی' خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی' حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں' تاہم اٹھیں' کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا' لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے کافروں کو قتل کیا تھا[1]

وفات:

حضرت ام حکیم کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں اولاد کا بھی یہی حال ہے۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۲۵۔

۳۶۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

تماضر نام، خنساء لقب، قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:
خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیہ بن خفاف بن امراء القیس بن بہثہ ابن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر، نجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح:

پہلا نکاح قبیلہ، سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزیز سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مرداس بن ابو عامر کے عقد نکاح میں آئیں[1]

اسلام:

پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی، تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ آئیں اور مشرف باسلام ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

عام حالات:

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساءؓ اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی، پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو میں نے نہ

---

[1] طبقات الشعراء لابن قتیبہ ص ۱۹۷ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۱)

تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ﴾

اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو''[1] چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں، اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے، اور شہید ہوئے، حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے، ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو ملتی رہی[2]

وفات:

اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، سال وفات ۲۴ھ ہے۔

اولاد:

چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے، ان کے نام یہ ہیں، عبداللہ، ابوشجرہ (پہلے شوہر سے تھے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے)۔

فضل وکمال:

اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اپنا جواب نہیں رکھتی تھی صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[3]

اجمع اهل العلم بالشعر انه لم تكن امرء ة قبلها ولا بعدها اشعر منها.

''یعنی ناقدین سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر پیدا نہیں ہوئی''۔

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے، تاہم اس میں بھی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مستثنیٰ رکھی گئی ہیں،[4] بازار عکاظ میں جو شعرائے عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازہ پر

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۲۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص ۴۴۱۔ [4] طبقات الشعراء ص ۲۷۱۔

ایک علم نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارثی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو‘ نابغہ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشیٰ) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا[1]

حضرت خنساءؓ ابتداء ایک دو شعر کہتی تھیں۔ لیکن صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں‘ یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے:

وان صخرلتأ تم الهدراة به　　　كأنه في راسه نار

صخر کے بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے

حضرت خنساء کا دیوان بہت ضخیم ہے‘ ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

[1] طبقات الشعراء ص ۱۹۸۔

۳۸۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے، ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، والدہ کا نام ملیکہ تھا۔ جو مالک بن عدی بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں، اس بنا پر ام حرام حضرت ام سلیم کی بہن اور حضرت انس کی خالہ ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح:

عمرو بن قیس انصاریؓ سے نکاح ہوا[1] لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادۃ بن صامت کے عقد نکاح میں آئی۔ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قبا کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے۔ حجۃ الوداع کے بعد ایک[2] روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جوئیں دیکھنا شروع کیا آپ کو نیند آ گئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ ''میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں''۔ حضرت ام حرامؓ نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں''۔ آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ کیا،

---

[1] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۲۔ [2] زرقانی ص ۶۶ واصابہ ج ۸ ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔

حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو' اس خواب کی تعبیر ۲۸ھ میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی طرف سے شام کے حاکم تھے' انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے اجازت نہیں دی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی' انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کیا' اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک تھے' حضرت ابوذرؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت عبادہؓ بن صامت' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ان ہی میں داخل تھیں'[1] بیڑا حمص[2] کے ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہوگیا۔ واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں' لوگوں نے وہیں ان کو دفن کر دیا[3]

اولاد:

حضرت ام حرامؓ سے ۲ لڑکے پیدا ہوئے' پہلے شوہر سے قیس اور عبداللہ اور حضرت عبادہؓ سے محمد۔

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں' راویوں میں حضرت عبادہؓ، حضرت انسؓ، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلی بن شداد بن اوس ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵۔ [2] زرقانی ج ؟ ص ۶۱۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

۳۹۔ حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے:
ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات:

غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم گھر میں رہو تو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا''۔

شہادت:

چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لیے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمایئے، چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں،[1] راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو، ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کردیا، یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے، صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا، آج

---

[1] عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ کے صفحہ ۸ پر ایک نوٹ ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیں۔

خالہ کے قرآن پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی پڑی ہوئی ہیں نہایت افسوس ہوا اور فرمایا خدا و رسول نے سچ کہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''شہیدہ کے گھر چلو'' اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کیے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی[1]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۸۹۔

۴۰۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ہند نام' قبیلہ قریش سے تھیں' سلسلۂ نسب یہ ہے:
ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ابن عبد مناف' ہند کا باپ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔

نکاح:

فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا تو ابوسفیان ابن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔

عام حالات:

عتبہ' ابوسفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ ابوجہل ان سب کا سردار تھا۔ لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابوجہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے اس کی جگہ لی اور ابوجہل کی طرح مکہ میں ان کی سیادت مسلم ہو گئی۔

چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے' ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے' غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا۔ اس موقعہ پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں جنھوں نے اپنے باپ کے انتقال میں سنگ دلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے جسم لرز اٹھتا ہے۔ حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا۔ ہند ان کی فکر میں تھیں' چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم

کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیئے جائیں گے' چنانچہ حضرت حمزہ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا' حضرت حمزہ نے ان پر حملہ کرنا چاہا' لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹ لیے' ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا' اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں لیکن گلے سے اتر نہ سکا' اس لیے اگل دینا پڑا (حضرت ابوسفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت ﷺ کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا' اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام:

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں' شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں' ہند بھی نقاب پہن کر آئیں' جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے' بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں

ہند: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ (ﷺ): خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا' لیکن بہرحال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ

بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ (ﷺ): اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ربینا ھم صغار او قتلتھم کبار افانت وھم اعلم ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا' اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگزر فرمایا (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا۔ لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔[1]

حضرت ہند رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں' ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا' اور کہا ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔[2]

(اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامھا۔[3]

غزوات:

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا' اور اس لیے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی' تاہم جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کا رن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا۔ چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی' اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات:

حضرت ہندؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ اسی دن حضرت

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۶۔ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۲۔

ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ نے بھی وفات پائی تھی ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی' کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوسفیانؓ نے وفات پائی (ابوسفیانؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی) تو کسی نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ مجھ سے ہند کا نکاح کردو۔ انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کی ضرورت نہیں [1]

اولاد:

اولاد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق:

حضرت ہندؓ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جوایک عرب عورت کے مابہ الامتیاز ہوسکتے ہیں' صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے:

کانت امرء ة لها نفس وانفته ورائ وعقل. [2]

''ان میں عزت نفس' غیرت رائے وتدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی''۔

فیاض تھیں' حضرت ابوسفیانؓ ان کو ان کے حوصلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیانؓ مجھے خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی۔ [3]

---

[1] اصابہ ج۸ ص۲۰۶ [2] اسد الغابہ ج۵ ص۵۶۳۔ [3] صحیح بخاری۔

۱۴۱۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب اور اسلام:

ام کلثوم کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ابن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ اس بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اخیافی بھائی بہن ہیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت:

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پاپیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلیں تھیں، اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَاجَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَمْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ﴾

''مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان

ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو"۔

اور آپ نے اس کے مطابق حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح:

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اب تک کنواری تھیں اس لیے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے' ان کا نکاح کیا گیا' لیکن جب زید رضی اللہ عنہ نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں آئیں' لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے نکاح ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات:

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی' اس زمانہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ والی مصر تھے۔

اولاد:

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی' لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے زینب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ابراہیم' حمید' محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

۴۲۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زینب قبیلہ مخزوم سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، زینب بنت ابی سلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم حبشہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں، اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا،[1] پہلے برہ نام تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔[2]

عام حالات:

۴ھ میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت زینب رضی اللہ عنہا شیر خوار تھیں، والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرتؐ کو ان سے محبت تھی پیروں چلنے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں، آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی، دو لڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابوعبیدہ تھا۔ ۶۳ھ میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی لاشیں لاکر رکھی گئیں، انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ ''مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑکر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا''۔

وفات:

بیٹوں کے قتل ہونے کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۷۳ھ میں انتقال فرمایا۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱ باب استحباب تعبیر الاسم القبیح الی حسن۔

طارق کی حکومت کا زمانہ تھا[۱] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ میں تشریف لائے۔

فضل وکمال:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فضل و کمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھیں، اسد الغابہ میں ہے:

کانت من افقه نساء زمانها۔[۲]

''وہ اپنے عصر کی فقیہ عورت تھیں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ حدیثیں روایت کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحش سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابوعبیدہ، محمد بن عطاء، عراک بن مالک، حمید ابن نافع، عروہ، ابوسلمہ، کلیب بن وائل، ابوقلابہ جرمی۔

[۱] تہذیب جلد۲ ص ۴۲۱۔ [۲] اسد الغابہ جلد۵ ص ۴۶۹۔

۴۳۔ حضرت ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

امیمہ نام تھا' باپ کا نام صبیح یا صفیح بن الحارث تھا۔

اسلام:

اگر چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو ان کے صاجزادے تھے' مسلمان ہو چکے تھے' تاہم وہ مشرک تھیں۔ ایک دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت ناگوار ہوا۔ روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمایئے" آنحضرتؐ نے کی' ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہوگیا' غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کلمہ پڑھا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرط مسرت سے آبدیدہ ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا[1]

وفات:

وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷۔ باب فضائل ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

۴۴۔ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خولہ نام، ام شریک کنیت، قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی ہیں[1]
نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔

نکاح:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، نکاح ہوا۔

عام حالات:

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہؓ نے دوسرا نکاح کیا، اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا[2]

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پندرہ حدیثیں روایت کیں، راویان حدیث میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن مسیّب، بشیر بن سعید، عروہ اور ربیع بن مالک داخل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے:

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۰۹۔ [2] بخاری ج ۲ ص ۷۶۰ (باب هل للمرأة يهب نفسه لاعد) و(تہذیب ج ۲ ص ۲۱۵)

كانت امرأة صالحة

''وہ ایک نیک بی بی تھیں''

مسند میں ہے:

تصوم النهار وتقوم الليل

''یعنی دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں''۔

ابتداءً زیور کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ ﷺ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دیجیے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں[1]

---

[1] اصابہ ج۸ ص۷۰۔

۴۵۔ حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

حمنہ نام، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں، سلسلہ نسب اوپر گزر چکا ہے۔

نکاح:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اوران ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عام حالات:

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں، مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ میں اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت من المبایعات اس سے یہی بیعت مراد ہے، چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید کے حالات میں ہم اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

غزوات میں سے احد میں نہایت نمایاں شرکت کی، وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں، چنانچہ رفیدہ رضی اللہ عنہا اور ام کبشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت پائی، جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے، نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے، ان میں حضرت حسان اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے[1]

وطفقت اختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من اصحاب الافك.

''یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا برابر میرے خلاف رہیں، یہاں تک کہ اور اصحاب افک کی طرح برباد ہوئیں''۔

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا (اپنی بہن) کو بلند کریں،[2] لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا، چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں، اتنا علم ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات تک زندہ تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمنہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے، محمد اور عمران، محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۶۔ [2] فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۷۔

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کے لئے ازواجِ مطہرات، نبات طیبات اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن کی زندگی کے مذہبی، اخلاقی و معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے۔

از

مولانا عبدالسلام ندوی

فہرست مضامین

اسوۂ صحابیاتؓ

عقائد

عبادات

ابواب الصلوٰۃ

ابواب الزکوٰۃ والصدقات

ابواب الصوم

ابواب الحج

ابواب الجہاد

عمل بالقرآن

مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تبجیل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

فضائل اخلاق

حسن معاشرت

طرز معاشرت

معاملات

خدمات

اخلاقی خدمات

علمی خدمات

مناقب صحابیات رضی اللہ عنہن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؀

عورتوں کی تعلیم وتربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں' گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم وتربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت' مذہب' اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں؟ جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے' وہ اس شبہہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی' اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کیے ہیں ان سے بھی اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لیے کوئی عمدہ نمونہ قائم نہیں کیا ہے لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے' یورپین تمدن اور طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی لچک اس سے اور بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق' اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہرات' بنات طیبات اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن ان تمام حیثیات کی جامع ہیں

اور ہماری عورتوں کے لیے انہی کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عہد صحابہؓ کے جو مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی واقعات جمع کیے ہیں ان میں اگرچہ صحابیات رضی اللہ عنہن کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمات کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے، متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ مختصر سے رسالہ میں الگ جمع کر دیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن کی مذہبی اخلاقی، معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کر لے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لیے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا، جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی، اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کیے جا رہے ہیں ان کی عملی تردید کر سکیں گی۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ.

عبدالسلام ندوی
شبلی منزل، اعظم گڑھ
۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبول اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کرسکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درخت کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی اثر نہیں کرتے، بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کرلیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہوگئے صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی قسم کی کدوکاوش اور جبر واکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن الخمیس[1] میں حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت یوم الاثنین وصلت خدیجۃ آخر

---

[1] تاریخ ابن الخمیس ص ۲۸۶۔

یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثاء من الغد ثم زید بن حارثه ثم ابوبکر.

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علی نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اس کے بعد زید بن حارثہ اور ابوبکر شریک نماز ہوئے''۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینۂ پرنور سے چھن کر نکلی۔

اعلان اسلام:

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لیے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جور وستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ تھیں۔[1]

صحابیات نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرام نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آ گیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔

تحمل شدائد:

صحابہ کرام کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت

---

[1] تاریخ خمیس ص ۲۵۷۔

کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن بایں ہمہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو فرمایا ''صبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے'' لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا[۱] اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی[۲] لبینہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں''۔ اسی طرح وہ زنیرہ رضی اللہ عنہا کو بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں نہایت اذیت دیتے تھے۔

قطع علائق:

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا' صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ نازک تھی انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ و اقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی' باپ بیٹے سے' بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بے کس و بیچارہ ہو جاتی ہے لیکن بایں

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا۔ [۲] ایضاً تذکرۂ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

ہمہ صحابیات رضی اللہ عنہن نے اسلام کے لیے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہوگئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ ولا تمسکوا بعصهم الکوافر ﴾

''کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو''۔

تو جس طرح صحابۂ کرام نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی' اسی طرح بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کرآئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مانعلم ان احداً من المھاجرات ارتدت بعد ایمانھا۔[1]

''ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لاکر مرتد ہوئی ہو''۔

عقائد

توحید:

کفار نے صحابیات رضی اللہ عنہن کو طرح طرح کی اذیتیں دیں' لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا' حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب وہ دھوپ میں جل رہی تھیں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب اس مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو'' وہ اس قدر بدحواس ہوگئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الٰہی کا انکار مقصود ہے' بولیں خدا کی قسم میں تو اب تک اس پر قائم ہوں۔[2]

شرک سے علیحدگی:

عورتیں قدیم رسم ورواج اور عقائد کی پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد

---

[1] بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام شریکؓ۔

ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے لیکن صحابیات نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا' عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں' وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تھیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا' لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات و عزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ اللہ کی طرف سے ہے۔[1]

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے بچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔[2]

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی' چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہ جب ایمان لائیں تو گھر میں بت نصب تھے اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے''۔[3]

حضرت ابوطلحہؓ نے جب ام سلیم سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا ''ابوطلحہؓ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اُگا ہے' اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے'' بولے ''مجھے معلوم ہے'' بولیں کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا' انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کا نقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دلوں پر بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہؓ۔ [2] ادب الضرو باب الطیر ز من الجن۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ ہند بنت عتبہؓ۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ۔

ہو گیا تھا ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ ”تیرا سن زیادہ نہ ہو“ اس نے شدت اعتقاد کی بنا پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا وہ بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا آپ نے میری یتیمہ کو یہ بددعا دے دی ”آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں بس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لیے پاکی تزکیہ اور نیکی ہوگی“ [1]

عبادات

ابواب الصلوٰۃ

پابندی جماعت:

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بنا پر بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں، ایک بار ان سے لوگوں نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو، بولیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے [2]

نماز جمعہ:

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں میں

---

[1] مسلم کتاب البر والصلة الآداب باب من لعنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسبه ودعا علیه.

[2] بخاری باب مل من لا یشهد الجمعه غسل من النساء والصبیان و غیر هم.

چقندر بو دیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہ کو کھلاتی تھیں [1]

نماز اشراق:

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی تھی لیکن بعض صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کا التزام کر لیا تھا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں'' [2]

تہجد و نماز شبانہ:

صحابہ کرام تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیات بھی شریک ہوتی تھیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو تہجد کے لیے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے:

﴿ وَامُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴾ [3]

حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود، دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا، اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا [4]

ابواب الزکوٰۃ والصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لے کر حاضر ہوئیں لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے آپ نے

---

[1] بخاری کتاب الجمعۃ فی قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ [2] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الصلوٰۃ الضحیٰ۔ [3] موطا کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل۔

[4] بخاری کتاب الاطعمہ باب الحشف۔

ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں فرمایا "تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے میں اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں"[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیاتؓ کا مجمع تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں، گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں،[2] حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لے کر بیٹھیں اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دے دو بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا"[3]

اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا:

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تمہیں جاؤ، وہ آئیں تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہ بھی موجود تھیں دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ان کو دو دو ثواب ملیں گے۔ ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا۔

ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ابوسلمہؓ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی۔ [2] ایضاً۔

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الخطبۃ و باب الصلوۃ بعد صلوۃ العید۔

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقۃً دی تھی ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی۔[1]

محتاج کی حسب حاجت امداد:

صحابیات موت وحیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت وامداد فرماتی تھیں غزوہ احد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداءؓ کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہو' ناپا تو ایک کا قد بڑا نکلا مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا اور جو کپڑا جس کے حصے میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا۔[2]

ابواب الصوم

صائم الدہر رہنا:

آج ہماری عورتیں صوم مفروضہ میں بھی لیت ولعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدہر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں حضرت ابوامامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی' لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی' اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے آپ نے روزہ کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کر لیا' ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی' اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا ہے۔[3]

---

[1] مسلم کتاب الآداب جواز ارواف المراۃ الاجنبیۃ ۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب من تصدق بصدقۃ ثم ورثہا۔
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۵۔

نفل کے روزے:

بعض صحابیہ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی، انہوں نے روکا تو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی لیکن آپؐ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔[1]

مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابیات نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہ نے رسول اللہؐ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کردوں؟ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔[2]

اعتکاف:

صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لیے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج نے بھی خیمے نصب کروائے۔[3]

ابواب الحج

حج:

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہوسکتی تھی اس لیے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا، بہترین جہاد حج مبرور ہے، اس کے بعد ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ تصوم بغیر اذن زوجہا۔ [2] بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم۔

[3] ابوداؤد کتاب الصیام اباب فی الاعتکاف۔ [4] بخاری کتاب الحج باب حج النساء۔

صحابیات جس ذوق و شوق سے حج ادا کرتی تھیں اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا رسول اللہؐ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔ بہت سے صحابہؓ حجۃ الوداع کی شرکت کے لیے جا رہے تھے راستے میں رسولؐ سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا[1]

صحابیات فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالایلتزم کرتی تھیں ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی' رسول اللہؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' پاپیادہ بھی چلو'[2] اور سوار بھی ہولو' اگر کسی مجبوری سے حج فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوجاتا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہوگئی رسول اللہؐ کا گزر ہوا دیکھا کہ رو رہی ہیں فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا' فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے' تمام مناسک حج ادا کرلو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو[3]

ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرنا:

صحابیات نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے باپ پر حج فرض ہوگیا تھا لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے' کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کردوں''؟ آپ نے انہ کو اس کی اجازت دے دی'[4] ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہوچکا تھا' وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں اس کی جانب سے یہ فرض ادا کردوں؟ آپ نے ان کو بھی اجازت

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج۔ [2] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ۔
[3] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج۔ [4] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ۔

دی۔[1]

عمرہ ادا کرنا:

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی سے ادا کرتی تھیں اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آ کر دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں، وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دو فرض (حج وعمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا، فرمایا کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا بھی ثواب عطا فرمائے گا، چنانچہ آپ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔[2]

ابواب الجهاد

شوق شہادت:

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لیے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا بنت نوفل ایک صحابیہ تھیں، جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید مجھے بھی درجہ شہادت حاصل ہو جائے آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی، انہوں نے دو غلام مدبر کیے تھے[3] دونوں نے ان کو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔[4]

---

[1] مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام عن المیت۔ [2] بخاری ابواب العمرۃ کتاب الحج۔

[3] مدبر ان غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے اس لیے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متمنی ہوتے ہیں۔ [4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء۔

عمل بالقرآن

صحابیاتؓ پر قرآن کا شدت سے اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً ا يُّجْزَ بِهٖ ﴾

''جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا''۔

نہایت سخت ارشاد ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے' بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴾

''خدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا''۔

فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا' عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں ردوقدح[1] ہوگی''۔ اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ نے حضرت سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اس لیے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے' لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ ''ان کو ان کے حقیقی باپوں کے بیٹے کہہ کر پکارو''۔

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا' اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو' وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے''۔[2]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں اس لیے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرۃ الذنوب۔ [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب من حرم بہ۔

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ ﴾

''عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں''۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے بن گئے ہیں[1]

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالٰی ولیضربن بخمرھن۔

منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب:

راگ باجا تو بڑی چیز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں [1]

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے داخل ہوئی گھنگرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگرو پہنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے [2]

مشتبہات سے اجتناب:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو چیز مشتبہ نہیں ہے، حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گا گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں'' صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا وہ مر گئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہو گئی صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں ماں اس کی مالکہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ٦ ص ١٥٢۔ [2] ایضاً ص ٢٤٢۔

ہو گئی تھیں اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہو گئی تھیں اس لیے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اور اب وہ تمہاری وراثت میں آ گئی[1]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی، ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لیے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروایا آپ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دے دی[2]

مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تسبیح و تہلیل:

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی ہے، ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں رسول اللہؐ نے دیکھا تو فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں، اس کے بعد ایک دعا بتا دی[3]

مقامات مقدسہ کی زیارت:

حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا تھا ایک بار ایک صحابیہ بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی، صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا اور رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے کہا مسجد نبویؐ میں نماز پڑھ لو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرجل یہب ابهتہ ثم یوحی لہ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔
[3] ابوداؤد کتاب ابواب قصر یع شہر رمضان باب التسبیح بالحصی۔ [4] مسلم باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینہ ومکہ۔

ایک صحابیہؓ نے مسجد قبا تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی، ابھی نذر پوری کرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہوگیا' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں[1]

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا:

شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا اس لیے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت حمنہ بنت جحشؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں رسول اللہؐ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا' ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھینک دی[2]

پابندی قسم:

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوگئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے معافی مانگ لی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں:

انی نذرت والنذر شدید ''میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے''۔ بالآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا تو اس کفارۂ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کیے[3]

---

[1] موطائے امام محمد باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب النعاس فی الصلوۃ۔ [3] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔

تبجیل الرسول ﷺ

برکت اندوزی:

صحابیات ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لیے جو بچہ پیدا ہوتا' صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ کی خدمت مین حاضر کرتیں آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے' اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔[1]

محافظت یادگار رسول ﷺ:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں' حضرت عائشہؓ کے پاس ایک جبہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب کوئی شخص آپ کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتیں تھیں۔[2]

• جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا' چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔[3]

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔[4]

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس وتبرکم۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸۔
[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نیار رضی اللہ عنہا۔

جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں[1]

غزوۂ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا' وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے[2]

ایک دن آپ ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا' حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا[3]

آپ حضرت شفاء بنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے اس غرض سے انہوں نے آپ کے لیے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوالیا تھا جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے اور یہ یادگاریں ایک مدت تک آپ کے خاندان میں محفوظ رہیں اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا[4]

ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں' ایک صحابیہ فرماتی ہیں:

جمعت علی ثیابی فاتیت[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

''میں نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی''۔

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا اور وہ اس پر رو رہی تھی آپ کا گزر ہوا تو فرمایا ''خدا

---

[1] بخاری کتاب الاستئذان باب من زار قوما فقال عندھم۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰۔

[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ ام سلیم۔

[5] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل' اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ۔

سے ڈرو اور صبر کرو'' بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا۔[1]

حمایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طلیب بن عمیرؓ اسلام لائے' اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے بڑا مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتیں تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی خاطر لڑتیں''۔[2]

خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمہ رسول کا لقب حاصل ہوا۔[3]

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھی' انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں صرف کرے اس نے کہا ''اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تا نفس واپسیں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی۔[4]

ہیبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرعظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں کہ جسم پر رعشہ پڑ جاتا تھا ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع وخضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ۔ [2] استعیاب تذکرہ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔

[3] ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ۔ [4] ایضا کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط۔

[5] شمائل ترمذی ماجاء فی حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی پھرتی تھیں

نحن جوار من بنی النجار　　یاحبذا محمدا من جار

''ہم خاندان بنونجار کی لڑکیاں ہیں　محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اچھے پڑوسی ہیں''

پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

''ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر　چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے''

وجب الشکر علینا　　مادعی للہ داعی

''جب تک دعا کرنے والے دعا کریں　ہم پر خدا کا شکر واجب ہے''

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں تو چھوکریاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں ان میں ایک نے یہ مصرعہ گایا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد　''ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے''

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں [1]

پابندی احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے صحابیات نے ان کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینبؓ بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں'' اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا' تو انہوں نے تین روزہ کے بعد تیل لگایا خوشبو ملی اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف آپ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی۔[2]

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح۔ [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنہا زوجہا۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا' انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق وامتیاز پر اعتراض کیا' تو بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

انزلوا الناس علی قدر منازلھم. ''لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو''۔

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد عورت مل جل کر چل رہے ہیں عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں''۔ اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے[1]

رضامندی رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی اس لیے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامند کرنے کی کوشش کرتی تھیں آپ جب حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بیبیاں ساتھ تھیں سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا' اب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اس لیے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں اس غرض سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں' حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق۔

پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے، اس کے بعد آپ کی خدمت میں گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا عائشہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے، بولیں:

ذالك فضل الله يو تيه من يشاء[1]

''یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے''۔

تفویض الی الرسولؐ:

عورت کے لیے نکاح کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے لیکن صحابیات نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا تھا، اس لیے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور وہ بخوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں حضرت فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو نہایت دولت مند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی لیکن حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے جس سے چاہیے نکاح کر دیجیے[2]

حبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے اس لیے صحابہ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے ایک بار آپ نے ان کے لیے ایک انصاری لڑکی سے پیغام نکاح دیا انہوں نے کہا اس کی ماں سے مشورہ کرلوں، ماں نے حبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جا سکتی مجھے آپ کے حوالے کردو خدا مجھے ضائع نہ کرے گا''[3]

ضیافت رسولؐ:

اگر خوش قسمتی سے صحابیات کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجالاتیں ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا[4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۳۸۔ [2] نسائی کتاب النکاح، الخطبہ فی النکاح۔
[3] مسند جلد ۴ ص ۲۳۲۔ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو۔

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا کہ "یارسول اللہ ﷺ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جایئے" آپ نے فرمایا "خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔"[1]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آٹا چھانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لیے بھی اس قسم کی روٹیاں تیار کروں لیکن آپ نے کمال زہد و تقشّف سے فرمایا "آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندھو"[2]

محبت رسول ﷺ:

صحابیات کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بابا یعنی میں آپ پر قربان۔[3]

آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لیے نذریں مانتی تھیں، ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤں گی۔[4]

شوق صحبت رسول ﷺ:

صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا نہایت شوق رہتا تھا حضرت قیلہؓ بیوہ ہوگئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا، اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد تھیں اس لیے ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا۔[5]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۸۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ۔ [3] نسائی کتاب الحیض باب شھود الحیض العیدین ودعوت المسلمین۔ [4] ترمذی کتاب المناقب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب۔
[5] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت قیلہؓ۔

فضائل اخلاق

استعفاف:

فیض تربیت نبویؐ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا اس لیے وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتی تھیں ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے، حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس آ ئیں [1]

ایثار:

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمرؓ نے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختۂ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

کنت اریده لنفسی ولا وثرن به الیوم علیٰ نفسی. [2]

''میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں''۔

ایک دن وہ روزہ سے تھیں گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی انہوں نے لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجیے گا، بولیں دے تو دو، شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہا ''یہ تیری روٹی سے بہتر ہے''۔ [3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الآداب باب فی التسبیح۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ۔
[3] موطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔

فیاضی:

صحابہ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات و استحکام حاصل ہوا، حضرت ام سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دیا تھا[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آ جاتا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس فیاضی سے روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی[2] حضرت اسماءؓ اس سے بھی فیاض تھیں حضرت عائشہؓ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماء کل کے لیے کچھ نہیں رکھتیں تھیں روز خرچ کر دیا کرتی تھیں[3]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے بولیں کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے انہوں نے کہا ''نہیں'' فرمایا اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی، فوراً آدمی بھیج کر ان کو بلوایا اور دس ہزار درہم دے دیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی، اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے[4]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت زینبؓ بنت جحش نہایت فیاض تھیں، وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی، مساکین کو دے دیتی تھیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھے سب سے پہلے ملے گا اس بنا پر ازواج مطہراتؓ اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں، حضرت زینبؓ کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے، لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواج مطہراتؓ کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی۔[5]

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔ [3] ادب المفرد باب السخاوۃ۔
[4] طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ۔ [5] اصابہ تذکرہ حضرت زینبؓ بنت جحش۔

نہیں مل سکتا لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہتی تھی لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اعتراف ہے:

وهی اللتی تسامینی فعصمها الله بالورع[1]

''وہ اگرچہ میری حریف تھیں، لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچالیا''

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیاتؓ اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، حضرت معاویہؓ بن خدیج نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا ''ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دے دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہا استغفر اللہ اگر میں ان سے اس بنا پر بغض کروں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! اس کو جو شخص میری امت کے ساتھ ملاطفت کرے، تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر، اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر''[2]

مہمان نوازی:

حضرت ام شریکؓ نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں انہوں نے اپنے مکان کو

---

[1] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت معاویہ بن خدیج۔

گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا' اس لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر انہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے[1]

عزت نفس:

صحابیاتؓ عزت نفس کا مجموعہ تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس دن شہید ہوئے' اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے' انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں ''بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے' خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے''۔

صبر وثبات:

مردوں پر نوحہ کرنا' بال نوچنا' کپڑے پھاڑ ڈالنا' مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیض تربیت نبویؐ نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لیے باہر چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابوطلحہ سے نہ کہنا وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے یہ کہہ کر کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا' صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟ بولے ''نہیں'' بولیں تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو''[2]

رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے واپس آئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں' انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں وہ آئیں آپ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو' انہوں نے انا للہ پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی' آپ نے پھر فرمایا ماموں حمزہؓ ابن عبدالمطلب پر بھی صبر کرو''۔ انہوں

---

[1] نسائی کتاب النکاح باب الخطبہ فی النکاح۔
[2] مسلم کتاب الادب باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ الخ۔

نے اس پر بھی انا اللہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں [۱]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج سے معرکہ آراء ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے، بولیں شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم کو صبر کرلوں، یا فتح وظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں"۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرتناک منظر دیکھنے کے لیے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ گھوڑے سے نیچے اترے [۲]

شجاعت:

غزوات میں صحابہ کرام نے جس طرح دادِ شجاعت دی، صحابیاتؓ کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کردیں چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں گھونپ دوں [۳]

غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کردیا تھا، ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے اس کو قتل کردو، بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں، اب حضرت صفیہ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا [۴]

زہد وتقشّف:

صحابیات نہایت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک بار ایک شخص

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہ بنت جحش۔ [۲] استیعاب تذکرۂ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔

[۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل۔ [۴] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب۔

حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں، ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنی نقاب سی لوں" اس نے کہا "اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کردوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے، بولیں " جو لوگ پرانا دھرانا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا[1]

زندہ دلی:

صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تروتازہ اور شگفتہ کردیا تھا اس لیے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، عید کے دن معمولاً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوکر باجے بجاتے تھے اور مسرت سے ترانے گاتے تھے[2]

رازداری:

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا، جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا، ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جمع تھیں حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آگئیں آپ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ مار کر رو پڑیں پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ چلے گئے تو تمام بیبیوں نے اس کی وجہ پوچھی، بولیں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کرسکتی[3]

عفت وعصمت:

اسلام نے پاکیزہ اخلاق کی جو تعلیم دی ہے، اس نے صحابیات کو عصمت وعفت کا مجسمہ بنادیا، ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانۂ جاہلیت میں اچھی نہ تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ہٹو اب وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا،[4] اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے ابا کرنے لگیں، مسیکہ ایک لونڈی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] ادب المفرد باب الرفق فی المعیشہ۔ [2] بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔
[3] مسلم کتاب فضائل مناقب فاطمہ۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۷۔

﴿ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ﴾ [1]

''اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو''۔

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا وہ اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے، ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو، وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے، عورت نے پردہ سے کہا ''اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے، تو خیر، ورنہ تمہیں خدا کی قسم''۔ [2]

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدانخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرمن عقل و ہوش پر بجلی گر پڑتی تھی، حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب واقعۂ افک کی بھنک پڑی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں، لرزہ بخار آ گیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی''۔ [3]

حسن معاشرت

مصالحت اور صفائی:

اگر بہ مقتضائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا، ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں، اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی، لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ [4]

صلہ رحم:

حضرت زینبؓ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھیں، حضرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح، باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان یتزوجھا۔

[3] بخاری کتاب بدء الخلق قول اللہ عز وجل لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین۔

[4] بخاری کتاب الادب باب الھجرۃ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ولم ارامرأة قط خيرا فى الدين من زينب واتقى الله واصدق حديثا واوصل للرحم۔[1]

''میں نے زینبؓ سے زیادہ دیندار' زیادہ پرہیز گار' زیادہ سچی اور زیادہ صلۂ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی''۔

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد وراثۃً پائی تھی اوران کوایک لاکھ رقم حضرت امیر معاویہؓ نے دی تھی' لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور حضرت ابن ابی عتیق پر جوان کے قرابت دار تھے ہبہ کر دیا۔[2]

صحابیات کی صلہ رحمی صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی' بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں' حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی' حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں'[3] چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لیے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔[4]

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے اس لیے صحابیات ایک دوسرے کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت نسیبہ انصاریہ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں' ایک باران کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیجا'[5]

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہؓ۔ [2] بخاری کتاب الھبۃ باب ہبۃ الواحد للجماعہ۔
[3] مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقہ والصدقۃ علی الاقربین۔ [4] مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاہل الذمہ
[5] بخاری کتاب الزکوۃ باب قدر کم یعطی من الزکوۃ والصدقۃ ومن اعطی شاۃ۔

حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیۃً دے دیا کرتی تھیں[۱]

خادموں کے ساتھ سلوک:

صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر کردی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی حضرت ام الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں، صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہدا نہ ہوں گے[۲]

باہمی اعانت:

صحابیات مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں[۳]

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا دکھ درد کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پرزور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبتیں برداشت کررہی ہیں ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی دیکھئے اس کا چمڑا اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہوگیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

والنسآء ینصر بعضھن بعضاً.

''عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں''[۴]

---

[۱] مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب اباحۃ الھدیہ للنبی ﷺ ولبنی ہاشم ولبنی عبدالمطلب وان کان المھدی ملکھا بطریق الصدقۃ۔ [۲] مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب النھی عن لعن الدوات وغیرہا۔ [۳] مسلم کتاب الآداب باب ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔ [۴] بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الخضر۔

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے، انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بی بی بیمار ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں [1]

عیادت:

صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں، ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی [2]

تیمارداری:

صحابیات نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بیمار ہوئے تو حضرت ام الحسلاؓ اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام الحسلاءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا ''تم پر خدا کی رحمت ہو، میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی [3]

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا ''ہم'' ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بیویوں نے کہا ''ہم'' [4]

عزاداری:

صحابیات عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آ رہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں، پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لیے گئی تھی [5]

---

[1] ادب المفرد باب عیادۃ الصبیان۔ [2] ایضاً باب عیادۃ النساء الرجل المریض۔ [3] بخاری کتاب الشہادات باب القرعۃ فی المشکلات۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت زینبؓ۔

[5] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیہ۔

عرب جاہلیت میں عزاداری کا طریقہ یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا' چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں' فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے' چنانچہ آپ نے ان کو اجازت دے دی[1]

محبت اولاد:

صحابیات بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ''میرا پیٹ اس کا ظرف' میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو'[2] اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں' چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس خصوصیت کی مدح فرمائی:

نعم النساء نساء قریش احناھن علی الولدوارعاھن علی الزوج.[3]

''قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں''۔

بھائی بہن سے محبت:

صحابیات اپنے بھائی بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' حضرت عبداللہ ابن ابی بکر کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہ فرط محبت سے

---

[1] مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد۔

[3] بخاری کتاب النکاح۔

ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے:

وکنا کندمانی جذیمة حقبة　　من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

''اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی''۔

فلما تفرقنا کان ومالکاً　　بطول اجتماع لم بنت لیلة معا[1]

''لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی''

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے' تو ان کی بہن صفیہ آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا' بالآخر رسول اللہؐ کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے اس لیے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے انا للہ پڑھا اور رونے لگیں۔[2]

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔[3]

حمایت والدین:

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی' حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔[4]

پرورش یتامیٰ:

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے' حدیث شریف میں آیا ہے:

انا و کافل الیتیم کهاتین فی الجنة.

''ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس

---

[1] ترمذی کتاب الجنائز' باب ماجاء فی الزیارۃ للقبور للنساء۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت حمزہؓ۔
[3] مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۳۵۱۔ [4] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی۔

قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں''۔

اس لیے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کروں تو جائز ہے؟ دوسری صحابیہ بھی اس غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں حضرت بلالؓ نے اطلاع کی، تو آپ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا ایک قرابت کا، اور دوسرا صدقہ کا''[1]

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کے بچے یتیم ہو گئے تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرماتی تھیں[2]

یتیموں کے مال کی نگہداشت:

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح الخ اس بنا پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیتی تھیں حضرت عائشہ یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں[3]

بچوں کی پرورش:

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے اس لیے انہوں نے یہ عزم بالجزم کرلیا کہ جب تک ان کی نشو و نما کامل طور پر نہ ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انس خود سپاس گزارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا[4]

---

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر۔ [3] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب اموال الیتامی والتجارۃ فیھا۔
[4] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت ام سلیمؓ۔

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت ام ہانی سے نکاح کا پیغام دیا، تو انہوں نے معذرت کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے اس لیے مجھے خوف ہے کہ میں شوہر کا حق ادا کروں گی، تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کرلوں گی) کا حق ادا نہ کرسکوں گی۔[1]

شوہر کے مال واسباب کی حفاظت:

زن وشوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال واسباب اور گھربار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت پائی جاتی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایہ دیوار کے نیچے مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجیے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھی لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں، بولیں ''اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کردیں تو مشکل پڑے گی، زبیر کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو'' وہ اسی حالت میں آیا اور کہا ''یاام عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا'' حضرت زبیر نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع وشراء سے روکتی ہو؟

وہ تو چاہتی ہی تھیں، اجازت دے دی۔[2] وہ نہایت فیاض تھیں اس لیے صدقہ وخیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کرسکتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا جو کچھ ہوسکے دو۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ [2] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیہ اذا اعیت فی الطریق۔ [3] مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث فی الصدقہ ولو بالقلیل۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا ہم اپنے بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لیے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو"۔[۱]

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

نعم النساء نساء قریش احناھن علی الولد وارعاھن علی الزوج.

"قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں"۔

شوہر کی رضا جوئی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حولاؓ عطر فروش تھیں ایک بار حضرت عائشہ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا "جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو"۔[۲]

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اس کو اس لیے بنایا ہے کہ آپ کے لیے بناؤ سنگار کروں۔[۳]

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے، آپؐ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا، بولیں "اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی"۔[۴]

---

[۱] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المراۃ تصدق من بیت زوجہا۔ [۲] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت حولاؓ۔ [۳] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی۔ [۴] نسائی کتاب الزینۃ۔

شوہر کی محبت:

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا' ابوالعاص کے فدیہ میں بھیج دیا۔[1]

حضرت حمنہؓ بنت جحش کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں[2] حضرت عمر کو اہل و عیال کے ساتھ بہت زیادہ شغف نہ تھا' تاہم ان کی بی بی حضرت عاتکہ روزے کے دنوں میں بھی فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔[3]

حضرت عاتکہ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردرد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فـالـيـت تـنـفـك عـيـن حـزيـنـة   عـليـك و لا يـنـفـك جـلدى اغـبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی' دعوت ولیمہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے انہوں نے عاتکہ کو یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں' حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردرد مرثیہ لکھا اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا۔[4]

شوہر کی خدمت:

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دل سوزی سے کرتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں'[5] ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد فداء الاسیر بالمال۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت۔
[3] موطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للصیام۔ [4] اسد الغابہ تذکرۂ عاتکہؓ بنت زید۔
[5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب غسل المسواک۔

یارسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے، آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا، حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگوایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا اور خشک کیا اور اس کے بعد آپ کے پاس بھیج دیا۔[1] جب رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تو حضرت عائشہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔[2]

جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔[3]

صحابہ کرام جب تمام دنیا کی خدمت واعانت سے محروم ہو جاتے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیویاں ان کا ساتھ دیتی تھیں، رسول اللہ ﷺ تخلف غزوۂ تبوک کی بناء پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بی بی کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں، ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے ارشاد ہوا "نہیں"۔[4]

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی بی بی سے ظہار کیا یعنی ایک مدت معینہ کے لیے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی تھیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الاعادہ من النجاسۃ یکون فی الثواب۔ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام۔ [3] ایضاً باب من بعث بہدیہ۔ [4] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

طرز معاشرت

غربت وافلاس:

ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقروفاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاث البیت اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

لباس:

صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشۂ رسول کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب وحیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔[1]

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی، رسول اللہؐ نے صحابیات کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اوڑھا لے۔[2]

شادی بیاہ میں دلہن کے لیے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ۔

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین۔

[3] بخاری کتاب الہبہ باب الاستعارۃ للعروس عند البناء۔

مکان:

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی،[۱] اس لیے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا دروازوں پر پردے نہ تھے،[۲] راتوں کو جلانے کے لیے چراغ تک میسر نہ تھے۔[۳]

اثاث البیت:

صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان تھے، یہاں تک کہ میاں بی بی دونوں کے لیے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا،[۴] اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات:

صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے تتبع و استقراء سے بازو بند، کڑے، بالی، ہار انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جن کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار جو سفر میں گم ہوگیا تھا وہ مہرۂ یمانی کا تھا۔[۵]

سامان آرائش:

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر ورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرہ سے داغ دھبے مٹ جائیں،[۶] خوشبو میں زعفران عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔

اپنا کام خود کرنا:

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی

---

[۱] بخاری قصۃ الافک۔ [۲] ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث۔ [۳] صحیح بخاری۔
[۴] ابوداؤد کتاب الطہارت باب فی الرجل یصیب منہا مادون الجماع۔ [۵] ایضاً باب فی التیمم۔
[۶] ایضاً باب ماجاء فی وقت النفساء۔

تھیں لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے' مشکیزے میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا' جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے[1]

ازواج مطہراتؓ باری باری گھر کا کام دھندھا خود کرتی تھیں' ایک دن حضرت عائشہ کی باری تھی' جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سوگئیں' آپ آئے تو جگایا'[2] حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کے لیے گھاس لاتی تھیں حضرت ابوبکرؓ نے سائیسی کے لیے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا' جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا' حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں۔

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے خود پانی لاتیں' مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں' آٹا گوندھتیں' روٹی پکاتیں'[3] گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں' جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر تھی'[4] بعض صحابیہ کپڑے بنتی تھیں۔[5]

پردہ:

عہد نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا سا سخت پردہ رائج نہ تھا' تاہم عورتیں بالکل بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں۔ محفہ میں سفر کرتی تھیں'[6] نقاب پوش رہتی تھیں'[7] اور غیر محرم

---

[1] کتاب الخروج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ۔ [2] ادب المفرد باب لا یوذی جارہ۔

[3] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق و بخاری کتاب النکاح۔

[4] اسد الغابہ تذکرہ فلیسہ۔ [5] بخاری کتاب البیوع باب النساء۔

[6] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج۔

[7] ابوداؤد کتاب المناسک باب المحرم۔

سے پردہ کرتی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے' لوگ گزر جاتے تھے تو پھر منہ کھول دیتے تھے۔[1]

ایک بار حضرت افلح بن ابی القیسؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو آئے وہ پردہ میں چھپ گئیں بولے ''تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تو تمہارا چچا ہو''۔ بولیں کیونکر؟ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے' بولیں ''مرد نے تو دودھ نہیں پلایا''۔[2]

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا۔ وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں صحابہ کرام نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے' شرم و حیا کو تو نہیں کھویا۔[3]

ہمارے زمانہ میں پردہ ایک رسمی چیز ہے' مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر وہ ہمیشہ پردہ کرے گی' لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہوگیا تو پھر اس کے لیے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں' ان کا پردہ بالکل شرعی تھا' اگر شریعت اجازت دیتی تھی' تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی مواقع پیدا ہو جاتے تھے' تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں' اس لیے وہ حضرت ابوعبداللہ سالمؓ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں ایک دن وہ آئے اور کہا کہ ''خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے تھے' اس لیے حضرت عائشہؓ نے پردہ گرا دیا اور عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم التغطی وجھھا۔

[2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی لبن الفحل۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرھم من الامم۔

[4] نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح المرأۃ راسہا۔

معاملات

ادائے قرض کا خیال:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کے لیے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں[1]

قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا:

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا، اس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجیے، انہوں نے کم کر دیا[2]

تقسیم وراثت میں دیانت:

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہبہ نامکمل تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت ہبہ کیے تھے، اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا، تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لیے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو، حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی[3]

خدمات

سیاسی خدمات میں صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصابہ میں تذکرہ شفاءؓ بنت عدویہ میں اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے ان

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ مصباح بن سرحس۔
[3] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالا یجوز من النحل۔

کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں، لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام:

مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیات کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔[1]

ایک غزوہ میں صحابہ کرام پیاس سے بے تاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا، صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے، اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[2]

حضرت ام حکیم بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے، حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریکؓ۔ [2] بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم۔

[3] موطائے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ۔

حضرت ابوطلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا تم کافر ہو اور میں مسلمان' نکاح کیونکر ہوسکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کرلو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی؟ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔[1]

نومسلموں کا تکفل:

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھربار' اہل وعیال اور مال و جائیداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا اس بنا پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ نومسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کا گھر ان نومسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی[2] کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا' حضرت درہؓ بنت ابی لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں[3]

خدمت مجاہدین:

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے اسی طرح صحابیات رضی اللہ عنہن بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں اُن کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں یارسول اللہ! ہم اون

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت زید بن سہل بن اسود۔

[2] مسلم کتاب الطلاق باب المطلقہ ثلاثہ لانفقہ لہا و کتاب الفتن واشراط والساعۃ باب خروج فی الدجال۔

[3] اصابہ تذکرہ درہ۔

کاتتی ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتی ہیں ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتی ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتی ہیں۔[1]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔[2] غزوہ احد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں اور وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔[3]

حضرت ربیع بنت مسعود کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوئی تھیں، پانی پلاتی تھیں، مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں۔[4] حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبویؐ میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔[5]

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی، ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجیے بولے ام سلیطؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔[6]

خدمات مساجد:

صحابیاتؓ مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد نبویؐ میں

۱۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ۔

۲۔ مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسہم والنہی عن قتل صبیان اہل الحرب۔

۳۔ ایضاً باب غزوۃ النساء مع الرجال۔ ۴۔ بخاری کتاب الجہاد باب رد النساء والقتلہ۔

۵۔ اصابہ تذکرہ رفیدہ۔ ۶۔ بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو۔

تھوک دیا تھا' رسول اللہؐ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[1]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہؐ نے اس کی نہایت قدر فرمائی' چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ نے انہیں راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہ دی' آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی بولے حضورؐ استراحت فرما رہے تھے' ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔[2]

بدعات کا استیصال:

بدعت مذہب کے لیے بمنزلہ گھن کے ہے' اس لیے باا ثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخل اسلام میں گھن نہ لگنے پائے مثلاً مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اس کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانوں میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں قرآن ان میں رکھتے ہیں' مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے شیبہ بن عثمانؓ نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے' خدا اور رسول نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوء اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے اس لیے شیبہ سے کہا کہ ''یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو' جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں' تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔[3]

---

[1] نسائی کتاب الصلوٰۃ باب تخلیق الی المسجد۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر۔
[3] عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی۔

احتساب:

جو چیز مذہب و اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین درجے مقرر فرما دیئے ہیں:

من رای منکم منکر افلیغیر بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالك اضعف الایمان. (مسلم)

''تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے''۔

اور با اثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک گھر میں مہمان اتریں' میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہیں ہیں' تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے[1]

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طور پر جھٹ پٹ وضو کر کے چلے' حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو' رسول اللہ ﷺ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو[2]

ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو' رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے[3]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا' پھر فرمایا' تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں اس کے بعد گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا[4]

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۹۶۔ [2] ایضاً ص ۳۵۸۔ [3] موطا امام مالک کتاب اللباس۔ [4] ایضاً

اخلاقی خدمات

نردبازی کی روک ٹوک:

فتوحات عجم کے بعد عرب میں نرد بازی، شطرنج اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا، تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ داروگیر کی چنانچہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے، تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔[1]

شراب خوری کی روک ٹوک:

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوئے جن میں ایک باذق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بنا پر لوگوں کو شبہہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں بالاعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا اگر تمہارے مٹکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ہر منشی چیز سے منع فرمایا ہے۔[2]

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت:

قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگا دیتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو اس کی ممانعت فرما دی تھی آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیات نے اس پر شدت سے روگ ٹوک کی، چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ "میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں،

---

[1] ادب المفرد باب الادب واخراج الذین یلعبون بالفرد۔ [2] سنن نسائی کتاب الخمر۔

کیا مصنوعی بال جوڑ دوں"؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔[1]

علمی خدمات

علم تفسیر:

قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت بھی کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اس کے شرف کے لیے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے نکاح کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار گم ہو گیا تھا رسول اللہؐ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا' وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی' اس پر آیت تیمّم نازل ہوئی' حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

جزاك الله خيرا فوالله مانزل بك اهرقط الا جعل الله لك منه مخرجاً وجعل المسلمين فيه بركة۔[2]

"خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا"۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بی بی حضرت خولہؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِی تُجَادِلُكَ ﴾

"خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی"۔

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے آ رہے تھے راہ میں ان سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں "اے عمرؓ میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمر کہتے تھے اور

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۱۱۱۔ [2] کتاب النکاح باب استعارہ الثیاب للعروس وغیرہا۔

اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے' پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الٰہی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا'' ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا' جانے دو یہ خولہؓ بنت حکیم ہیں اور عبادہ بن صامتؓ کی بی بی ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی' پھر عمر رضی اللہ عنہ کو تو اور سننا چاہیے''[1]

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف وعزت کے لیے کافی ہے اس کا ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا ہے یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور پر صحابیاتؓ کے احکام و معاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے سورۂ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں' ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس بنا پر اگر چہ ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق ہے تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسر کہا جا سکتا ہے اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم تفسیر میں اکابر صحابہ کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں[2] ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایتیں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہؐ سے استفسار فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے مثلاً ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ من حوسب عذاب قیامت میں جس کا حساب ہوا' اس پر عذاب ہو گیا' حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تو فرماتا ہے:

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ ''اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا''۔

آپ نے فرمایا ''یہ اعمال کی پیشی ہے' لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی' وہ برباد ہی ہوا۔ ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ خدا فرماتا ہے:

---

[1] اصابہ تذکرۂ خولہ۔ [2] ماخوذ از سیرت عائشہؓ' سیرت عائشہؓ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں۔

﴿ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ ﴾

''جس دن زمین سے دوسری زمین بدل دی جائے گی' اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی:

﴿ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ ﴾

''تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے''۔

لیکن جب زمین و آسمان میں کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا' صراط پر۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رَاجِعُوْنَ ﴾

''جو لوگ کام کرتے ہیں خوف زدہ دل سے کرتے ہیں' وہ اپنے خدا کی طرف رجوع کریں گے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ جو چور ہے' بدکار ہے شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے' کیا وہ بھی اس سے مراد ہے' آپ نے فرمایا نہیں عائشہؓ' اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے' روزہ دار ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے دوسری وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق دوسروں کے دل میں کوئی شبہہ پیدا ہوا ہے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے مثلاً:

(۱) اعمال حج میں سے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا ﴾ [سورۃ البقرۃ]

''صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں' پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے''۔

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی

کچھ حرج نہیں فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا: "لاجناح علیه ان لا یطوف بهما" اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں، اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اوس وخزرج اسلام سے پہلے منات کی جے پکارا کرتے تھے منات مشلل میں نصب تھا اس لیے صفا اور مروہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے اب کیا حکم ہے اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک محدث تھے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا علم اس کو کہتے ہیں"۔

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿ حَتّٰى اِذَا سْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَ هُمْ نَصْرُنَا ﴾

"یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آ گئی"۔

عروہ نے پوچھا و کذبوا (جھوٹ بولے گئے یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کذبوا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذبوا (جھٹلائے گئے) عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا اس لیے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے بولیں معاذ اللہ پیغمبران الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد ونصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے، فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروؤں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور امداد الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعتہً خدا کی مدد آ گئی۔

(۳) جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ﴾ (نساء)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو''۔

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا' یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے' چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہو جاتے ہیں' ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لیے مجبور پا کر اس کو ہر طرح دباتے ہیں' خدائے پاک انہیں لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے پیش نہ آ سکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو' تین' چار نکاح کر لو مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

﴿ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ فِیْ یَتَامَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ ﴾

''ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو' اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو''۔ [سورۃ النساء]

اسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی آیت مراد ہے یہ حکم ان اولیاء سے متعلق ہے' جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے

ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے:

(۵) اس آیت کے مطلب میں لوگوں کا اختلاف ہے:

﴿ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ﴾

''جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہیے اور جو تنگ دست ہو وہ قاعدے کے مطابق اس سے لے لے''۔

یہ آیت اولیائے یتامی کی شان میں ہے کہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال سے لے کر کھا سکتے ہیں لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ﴾

''جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں''۔

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے، وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں، اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ نہ لینا چاہیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے:

(۶) عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے:

﴿ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ [سورة النساء]

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں اور صلح تو بہر حال بہتر ہے''۔

لیکن دفع ناراضی کے لیے صلح کرنا تو ایک عام بات ہے اس لیے خدائے پاک کو اس حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی

خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے زن وشوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں، بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں ان سے دقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں تو ان کو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

علم اسرار الدین:

علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جس میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کیے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے اس کے اصول و قواعد ممہد کیے ہیں باقی اس فن میں اور صحابہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ بہت کم شامل ہے بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کر دی ہے وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ ہے اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابہ سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کی پردہ کشائی کی ہے اور بہ کثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کیے ہیں،[1] مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی

---

[1] ماخوذ از سیرت عائشہؓ۔

اس لیے ان کو حضور صلوٰۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا:

لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منع نساء بني اسرائيل[1]

''عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لیے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں''۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں' مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اوامر ونواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا اس لیے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تھے تو اسلام کے احکام وقوانین اور اوامر ونواہی نازل ہوئے اگر زنا و شراب خوری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعتہً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات وفروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے' لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا' صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:

انما نزل اول ما انزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال لو نزل اول شئي لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً لقد نزل بمكه وانا جارية العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر ومانزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عنده.

[باب تاليف القرآن]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد والتشدید فی ذالک۔

''قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا' اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتریں تو میں آپ کی خدمت میں تھی''۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے' جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں' قتل ہو گئے انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لیے رحمت سمجھا چونکہ ارباب ادعاء کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا' اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کیے اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے' یورپ کے فلسفۂ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا:

كان يوم بعاث يوماً قدمه الله لرسولهٗ فقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد افترق ملوهم وقتلت سرواتهم وجوحوا فقدمه الله لرسول فى دخولهم الاسلام. [بخارى كتاب القسامه فى الجاهلية]

''جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا ہے''۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں' قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ہوتی ہیں' بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن

حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں:

فرضت الصلوٰة رکعتین ثم هاجر النبی صلی الله علیه وسلم وفرضت اربعاً وترکت صلوة السفر علی الاول. [بخاری باب هجرت]

"مکہ میں دو رکعتیں نماز کی فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی۔"

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل وسنت بھی جائز نہیں اس لیے بظاہر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں:

وهم عمر انما نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الصلوٰة ان یتحری طلوع الشمس وغروبها. [مسند احمد جلد ٦ ص ١٤٤]

"عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے"۔

یعنی آفتاب پرستی کا شبہہ نہ ہو آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو۔

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حین حطمه الناس. [ابو داؤد باب صلوٰة القاعد]

"یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا' یعنی آپ کمزور ہو گئے"۔

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا یہ جواب دیتی ہیں:

فانها وتر النهار [مسند جلد ٦ ص ٢٤١]

''مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے''۔

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔ نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں' حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وصلوٰۃ الفجر لطول قراتها. [مسند جلد ٦ ص ٢٤١]

''نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لیے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں''۔

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے' اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

کانوا یصومون یوم عاشوراء قبل ان یفرض رمضان و کان یوم تسترفیه الکعبة. [مسند احمد جلد ٦ ص ٢٤٤]

''اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا''۔

باوجود یہ کہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے' لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی' حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں۔ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہوئے دوسرے دن اور [illegible] ہوا' تیسرے دن اور بھی لوگ جمع ہوئے چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ [illegible] ہی لیکن آپ باہر تشریف نہلائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے' صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم یخف علی شانکم اللیلة ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا.

''رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو''۔

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات پر دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

انما جعل الطواف بالبيت بالصفا والمروة ورمى الجمار لا قامة ذكر الله عزوجل. [مسند احمد جلد ٦ ص ٦٤]

''خانۂ کعبہ صفا اور مروہ کا طواف کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کی یاد کرنے کے لیے ہے''۔

قرآن مجید کے ارشادات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا، چونکہ حج یادگار ابراہیم ہے اس لیے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا۔ مکہ معظّمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہؐ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے، اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی وجہ یہ بیان فرماتی تھیں:

انما نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه كان منزلا اسمع لخروجه.

''آپ نے یہاں صرف اس لیے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی ہے''۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابورافع بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہم زبان ہیں[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے بہت سے صحابہؓ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں ہے اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں:

لا ولكن لم يكن يضحى منهم الا قليلا ففعل ذالك ليطعم من ضحى من لم يضح. [مسند جلد ٦ ص ١٠٢]

---

[1] مسلم استحباب النزول بالمحصب ومسند جلد ٦ ص ١٦٠۔

''یہ نہیں کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا تو اس کو منسوخ فرما دیا' حضرت سلمہؓ بن اکوع سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔[1]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا' اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہؐ! یہ دیواریں بھی خانۂ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ''ہاں'' عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا اس لیے اتنا کم کر دیا' پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لیے تا کہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں جس کو چاہیں روک دیں''۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ کو یہ معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیم کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی ہے کہ ''عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی[2] پر تعمیر کراتا''۔

---

[1] مسلم کتاب الذبائح۔ [2] مسلم باب نقض الکعبہ۔

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ جہاں آباد تھے' کیسے ہی امن و امان کا مالک ہو لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے:

لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احد هم بدينه الى الله والى رسوله مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه حيث شاء ولكن جهادونية. [بخاری باب الهجرة]

''اب ہجرت نہیں ہے' ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا' اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے' ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے' ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہی دفن ہوتے ہیں لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مرضه الذى لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى اتخذو قبور انبيائهم مساجد لولا ذالك ابرذ قبره غير انه خشى ان يتخذ مسجداً. (بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۱)

''آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے''۔

علم حدیث:

محدثین نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

❶ اوّل طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار اسی طبقے سے ہے۔

❷ دوسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔

❸ تیسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اسی میں محسوب ہیں۔

❹ چوتھا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں بکثرت صحابیات شامل ہیں مثلاً ام المومنین ام حبیبہؓ، ام المومنین میمونہؓ، ام عطیہؓ انصاریہ، ام المومنین حفصہؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ام ہانی رضی اللہ عنہا۔

❺ پانچواں طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں، اس طبقے میں بھی بکثرت صحابیات شامل ہیں، مثلاً حضرت ام قیسؓ، حضرت فاطمہؓ بنت قیس، حضرت ربیع بنت مسعودؓ، حضرت سبرہ بنت صفوانؓ، حضرت کلثوم بنت حصین غفاریؓ، حضرت جداء بنت وہبؓ وغیرہ۔

فن درایت:

روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتدا صحابیات سے ہوئی۔

یعنی حضرت عائشہؓ نے بعض روایتوں پر درایۃً تنقید کی، اور اس سے درایت کے خاص خاص اصول قائم ہوئے مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی[1]، کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے درایۃً اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا خود قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ''ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا''۔

رونا اہل وعیال کا گناہ ہے اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اصول

---

[1] یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہؓ علی الصحابہ صفحہ ۵، ۱۷، ۱۸، ۲۱ میں موجود ہیں، اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔

قائم ہوا کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو وہ قبول نہیں کی جا سکتی' چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں کی تنقید کی ہے' مثلاً صحابہ کرام کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا' لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾

''خدا کو کوئی نگاہ پا نہیں سکتی' اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے' وہ لطیف اور خبیر ہے''۔

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت' گھوڑے اور گھر میں ہے' تو انہوں نے اس کا انکار کیا' اور یہ آیت پڑھی:

﴿ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ﴾

''زمین میں یا تمہارے اندر جو تمہیں مصیبتیں پہنچتی ہیں' وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں''۔

غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

﴿هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ ''خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کو پالیا''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں' آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون

''تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے''

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی' تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

انهم ليعلمون الا ان ما كنت اقول لهم حق

''وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا''۔

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴾

''اے پیغمبر ﷺ! تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی بات سن ہی نہیں سکتے تھے[1]۔

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے' پھر یہ آیت پڑھی:

﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴾

''جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں''۔

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت جائز نہیں[2]۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں' باپ' بچہ) بدتر ہے حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے' واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا' لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہؐ! اس کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے'' یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے' یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا' خدا خود فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ ''کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا''

یعنی قصور تو ماں کا ہے بچہ کا کیا گناہ ہے[3] جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

علم فقہ:

عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب علم نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال و استفسار کے ذریعہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے بہت سے مسائل دریافت

---

[1] بخاری غزوہ بدر۔ [2] اصابہ سیوطی بحوالۂ حاکم۔ [3] مسند دارمی ص ۲۹۔

کیے جاسکتے ہیں لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لیے کہ قرآن مجید نے سوال کی ممانعت کردی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے' مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہؐ سے تیرہ مسائل دریافت کیے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں[۱] اس بنا پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو' نماز' روزہ' حج اور زکوۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن و امارت سے ان اعمال کے مشروط ارکان کو مباح' واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے'[۲] لیکن صحابیات کو اس طرح سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان نہیں کیے جاسکتے تھے' اس لیے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی' چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نعم النساء نساء الانصار لم يكن يمنعهن الحياء ان يتفققهن فى الدين.[۳]

"انصار یہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھیں"۔

غرض اس طریقہ تعلیم سے صحابہ و صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان کے تین طبقے قرار پائے:

۱۔ مکثرین یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔

۲۔ مقلیین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

۳۔ متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

مکثرین میں جن کے متعلق علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا داخل ہیں۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۲۔

[۲] مسلم کتاب الطہارت باب استحباب استعمال المغتسلہ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضع الدم۔

متوسطین میں جن کے فتاویٰ رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔

مقلیین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں، ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں، مثلاً حضرت ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، یعلی بنت قالف، حضرت اسماءؓ، حضرت ام شریکؓ، حضرت خولاؓ، حضرت عاتکہ بنت یزیدؓ، حضرت سہلہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ وغیرہ۔

خاتمہ

مناقب صحابیات رضی اللہ عنہن

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ تمام صحابہؓ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام صحابہ میں افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی بات کتاب ''الملل والنحل'' میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں ان آیات واحادیث کے جوابات بھی دیئے ہیں، جس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے، بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہوسکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیاتؓ کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کردیتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے ان میں ان کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت خدیجہؓ اور سمیہؓ یا ام ایمنؓ۔ چنانچہ بخاری مناقب ابوبکرؓ میں حضرت عمارؓ سے روایت ہے:

راءیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما معہ الا خمسۃ اعبد وامرتان وابوبکر.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپؐ کے ساتھ صرف پانچ غلام اور دو عورتیں اور حضرت ابوبکرؓ تھے''۔

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الہجرت ہے اور اس فضیلت میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری ''الملل والنحل''، میں لکھتے ہیں:

فلیسانشك ان المھاجرات الاولات من نساء صحابة رضی الله عنھم یشار کن الصحابة فی الفضل ففاضلة ومفضولة وفاضل ومفضول ففیھن من یفضل کثیرا من الرجال وفی الرجال من یفضل کثیراً منھن وما ذکر الله تعالیٰ منزلة من الفضل الا وترون النساء مع الرجال فیھا کقولہٗ تعالیٰ ''ان المسلمین والمسلمات''۔[1]

''ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیبیوں میں مہاجرات اولات فضیلت میں صحابہ کی شریک ہیں۔ ان میں کسی عورت کو کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے۔ عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں، خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو نہ شامل کیا ہو، مثلاً خدا کا یہ قول کہ ''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں''۔

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے، اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمیوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، سو اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء سے ہوگئی، چنانچہ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہؐ نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت

---

[1] الملل والنحل جلد ۴ ص ۱۲۶۔

کا حکم دیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو' ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی' یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہؐ سے ملے' اس موقعہ پر ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوۂ خیبر میں شریک نہ تھے ان میں ان کے سوا رسول اللہؐ نے کسی کو مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا۔ ان لوگوں سے بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ حبشہ سے آئی تھیں وہ ایک روز حضرت حفصہؓ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمر بھی آ گئے اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیس' ان کا نام سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا حبشہ ہے۔ یہ بحریہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے' حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے کہا کہ ہاں ہم ہیں' اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے' ہم تم سے زیادہ رسول اللہؐ کے مستحق ہیں' یہ سن کر حضرت اسماءؓ برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم تم رسول اللہؐ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کی دور ترین مبغوض زمین میں پڑے ہوئے تھے' ہم کو ایذا دی جاتی تھی ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور رسول کی ذات کے لیے تھا' خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہؐ سے نہ کروں گی نہ کھانا کھاؤں گی' نہ پانی پیوں گی' خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی' کجروی اختیار نہ کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپؐ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں' عمرؓ اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں' حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے اور اس حدیث کو پوچھتے تھے ان کے لیے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور باعظمت نہ تھی' حضرت ابو موسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔[1] فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسولؐ ہے اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسولؐ حاصل ہوا' جو صرف مخصوص

---

[1] مسلم باب من فضائل جعفر بن ابی طالبؓ واسماء بنت عمیسؓ واہل سفینتھم۔

صحابہ کو حاصل تھا، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہؐ ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیمؓ (حضرت انس کی ماں) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے۔[1] جس لطف و محبت کے ساتھ آپؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں، بخاری ''کتاب الاستیذان'' میں ہے کہ جب آپؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپؐ کے لیے بچھونا بچھا دیتیں، آپؐ آرام فرماتے۔ جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کیا جائے، حضرت انس بن مالک کی خالہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپؐ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جوئیں نکالتیں۔[2]

• مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً ایک بار رسول اللہؐ نے حضرت ام ہانی سے نکاح کی خواہش کی، تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لیے ضروری ہے) اس موقع پر آپؐ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی یتیم فی صغرہ ورعاہ علی زوج فی ذات یدہ.[3]

''شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں۔ بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں، اور اپنے شوہر کے مال کی بہت حفاظت کرتی ہیں''۔

انصار کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل ام انس ابن مالک و بلال۔ [2] بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۱۔

[3] مسلم باب من فضائل نساء قریش۔

دونوں رسول اللہ کو یکساں محبوب تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آ رہے تھے، آپؐ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ ''تم لوگ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو''۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابیہؓ اپنے بچے کو لے کر آئیں اور آپؐ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اس سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو''۔[1]

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہؐ ام ایمن کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آؤ چلیں۔ جس طرح رسول اللہؐ ان سے ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں۔ چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو رو پڑیں، ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو؟ خدا کے پاس رسولؐ کا جو درجہ ہے وہ نہایت معتبر ہے، بولیں میں اس لیے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لیے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔[2]

عام صحابیاتؓ کے علاوہ ازواج مطہرات کو جو عزت حاصل تھی عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، جب رسول اللہ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سجدے میں گر پڑے، لوگوں نے کہا آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے ''جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو، پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی؟[3] مقام سرف میں حضرت میمونہؓ نے وفات پائی، تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ساتھ تھے بولے کہ ''یہ میمونہ ہیں، ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو''۔[4]

بعض صحابہ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ازواج مطہراتؓ کے لیے ایک باغ کی

---

[1] مسلم، بخاری، کتاب المناقب باب قول النبی للانصار ''انتم احب الناس الی'' [2] مسلم باب من فضائل ام ایمن۔
[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند الآیات۔
[4] نسائی کتاب النکاح۔ ذکر امر رسول ﷺ فی النکاح وازواجہ وما اباح ... جل لنبیہ ﷺ۔

وصیت کی تھی جو چار ہزار میں فروخت کیا گیا[1]

خلفاء ازواج مطہرات کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے' جب ان کے پاس کوئی میوہ اورکوئی کھانے کی عمدہ چیز آتی' تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بھیجتے تھے[2]

۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے' حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا' یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے۔ ازواج مطہراتؓ منزل پر اترتی تھیں اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[3]

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لیے دعائے برکت فرماتی تھیں[4] حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی' ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے' اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لیے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے' جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے' اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے[5]

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا' اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب' اخلاق اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا' اور آج بھی انہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے بلند کرسکتی ہیں۔

---

۵ ترمذی۔ کتاب المناقب' مناقب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ ۱ موطاء امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب حرمۃ اہل الکتاب والمجوس۔ ۳ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔
۴ ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔ ۵ ادب المفرد باب الکتاب الی النساء وجوابھن۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

علامہ سید سلیمان ندوی

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے، جس نے موقع جنگ پر نپولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا، ۱۸۰۸ء میں جب نپولین بونا پارٹ پرتگال کی مہم سر کر چکا، تو اپنے بھائی جوزف کو یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا، دارالسلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا، تمام ملک میں وطن اور قوم کی جے پکاری جانے لگی، اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا، اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لیے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی، کونٹسٹ بیوریٹا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی، جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھالائیں، اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں، اسی جنگی تاریخ کا ایک پرفخر واقعہ یہ ہے کہ اگسٹینا زرالوزا ایک دن ایک سپاہی کا کھانا لے جاتی تھی، کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین اس کو نظر آیا، عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ گر گیا، دوسرے سپاہی کھڑے ہیں، اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے روکیں، مگر بندوق کی گولیاں ان زوروں

سے برس رہی تھیں، کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے، بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پہنچی، اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا، دیا سلائی لگادی اور اخیر معرکہ تک اس کا دست ہمت شل نہ ہوا، اور وہ برابر کام کرتی رہی۔

اختتام جنگ پر اگسٹینا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی، جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی، ملک وقوم نے اگسٹینا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی، سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا، یورپین ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابل عزت سلسلۂ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی، جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آرلینس کا محاصرہ کیا، پیٹی کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی، اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا، ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مافوق الفطرت قوت بزور سحر ہے، جلادی گئی، جان کے کارناموں کی انتہائی شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے، اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولید ہونے کو تسلیم کرلیا۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں، اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں، اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا، کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں، عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی، ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں، گھوڑوں کی خدمت کریں، اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں، اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے یہ جوش پیدا کریں، غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور مردوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی اثارنا بیض حسان نحاذر ان تقسم او تهونا

ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی اہانت نہ ہو

اخذن علی بعولتهن عهدا ⁃ اذالاقوا کتائب معلمینا

اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں' ان عورتوں نے میدان قتال میں جانبازی کا اپنے شوہروں سے

لکی یسلبن افراساً وبیضاً   واسری فی الجبال مقرنینا

عہد لے لیا ہے' وہ ہمارے ساتھ اس لیے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں اور

ضعائن من بنی جشم بن بکر   خلطن بمیسم حسبا ودینا

دشمنوں کو گرفتار کر لیں' یہ جشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور

یقتن جیادنا ویقلن لستم   بعولتنا اذا لم تمنعونا

مذہب بھی ہے ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا' جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں شریک رہتی تھیں' بخاری میں ہے کہ غزوۂ احد میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ ان کے ساتھ ام سلیم اور ام سلیط دو اور صحابیہ بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔

محدث ابونعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں' رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی' جب معلوم ہوا تو رسول اللہؐ نے غضب ونفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی؟ ان عورتوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں' ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گی' بدن سے تیر نکالیں گی' کھانے کا انتظام کریں گی' آپؐ نے فرمایا خیر ٹھہرو! جب خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہؐ نے مال غنیمت سے حصہ دیا۔[1]

ام سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہی خدمات کے لیے اکثر غزووں میں شریک رہی ہیں[2] ربیع بنت معوذ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی'[3] ام رفیدہؓ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ

---

[1] ابوداؤد فتح خیبر۔ [2] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۵۲۔ [3] بخاری کتاب الطب۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[۱]

ام زیاد اشجعیہؓ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں، اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں[۲]

حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کے لیے کھانا پکایا تھا[۳]

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے، کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا، اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لیے متعین تھے، وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے، اور جو شہداء ہوتے، ان کو دفن کر دیتے، اغواث اور ارماث کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں، عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے[۴]

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھی، اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزم گاہ کی طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کہیں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اس کو اٹھا لیا[۵]

مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھی:

❶ زخمیوں کو پانی پلانا۔ ❷ فوج کے کھانے کا انتظام۔ ❸ قبر کھودنا۔

❹ مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھا لانا۔ ❺ زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔

❻ ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا، اور ان کی مدد کرنا۔

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو، عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے، مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول کی والدہ ام سلیم عموماً غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتی تھیں[۶] حضرت طلیب بن عمیر جب اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت

---

[۱] ابوداؤد کتاب ج ا ص ۶۷۰۔ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵: مصر۔ [۳] طبری مطبوعہ یورپ جلد ۶ ص ۲۳۱۶۔
[۴] ایضاً ج ۶ ص ۲۳۶۳۔ [۵] طبری مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۳۶۳۔ [۶] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱۔

عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لڑتی۔[1]

غزوہ خندق میں رسول اللہؐ اور تمام صحابہؓ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنوقریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے، بنوقریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی، جو عورتوں کی حفاظت کر سکے، اسی اثنا میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا، خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنوقریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں، تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے، حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہؐ کی پھوپھی اور حضرت زبیر کی والدہ تھیں، حضرت حسانؓ بن ثابت سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کر دو، حضرت حسانؓ نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں، اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہیں مار کر گرا دیا، مورخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔[2]

ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں، قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لیے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی، ام عمارہؓ بھی شریک تھیں، اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

۶ھ میں جب رسول اللہؐ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا، اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے آپؐ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے، تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا، اس وقت تمام صحابہؓ سے رسول اللہؐ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی، جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، ام عمارہ اس بیعت رضوان میں بھی

---

[1] استیعاب تذکرۂ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت صفیہؓ۔

شریک تھیں، مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں، بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے، اور جان نثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے، یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں، اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے، اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا، اور مقام یمامہ میں ایک خون ریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے، ام عمارہؓ بھی شریک تھیں، اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا، دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اس دن ام عمارہ کو بارہ زخم لگے تھے۔[2]

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لیے مشرق کی ان دو پرزور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا، جنگ یرموک ہے، اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پرزور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگ قادسیہ ہے، یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنھوں نے دنیا میں پھیلنے کے لیے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یابی مخدرات اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے، محرم ۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا اور ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اٹھا لائے اور ان کی تیمارداری کی۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۵۔ [2] فتوحات اسلامیہ سید دحلان ص ۴۶۔

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا' اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا' جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی:

انکم اسلمتم فلم تبدلوا وھاجرتم فلم تثربوا ولم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموھا بین ایدی اھل فارس واللہ انکم بنو رجل واحد کما انکم بنو امرة واحدة ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا واشھدوا اول القتال واخرہ۔[1]

''پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر پھرے نہیں' تم نے ہجرت کی تو تم کو کسی نے ملامت نہ کی' تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا' تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لاکر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا' خدا کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد ہو' جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو' نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی' اور نہ میں نے تمہارے ماموں کی فضیحت کی' جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو''۔

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا' اور بڑی بہادری سے لڑے' جب نظروں سے غائب ہوگئے تو اس بوڑھی عورت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا کہ خدایا! میرے بچوں کو بچانا' اختتام جنگ پر بہادر بیٹے صحیح وسالم اپنی ماں کے پاس آئے' اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈال دیا۔

جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء بھی شریک تھی۔ خنساء کے ساتھ اس کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے' شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا' آتش بیان شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔[2]

---

[1] طبری جلد ۶ ص ۲۳۰۶۔ [2] یہ دونوں واقعے جنگ' تعداد' اولاد اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی معلوم ہوتے ہیں' لیکن بعض اختلافات ایسے بھی ہیں جو ایک واقعہ نہیں ہونے دیتے۔ پہلی عورت قبیلہ نخع کی ہے' خنساء قبیلہ سلیم کی ہے پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے' دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت اور جوش سے لبریز ہے' جو خنساء کے شایان شان ہے' طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے مال غنیمت لے کر صحیح وسالم واپس آگئے' ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے شہید ہوئے اور ان کی تنخواہ حضرت عمرؓ ان کی ماں کو دیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

یابنی انکم اسلمتم وھاجرتم مختارین وو اللہ الذی لا الہ غیرہ انکم بنورجل واحد کما انکم بنو امرأۃ واحدۃ ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم ولا ھجنت حسبکم ولا غیرت نسبکم وقد تعلمون ما اعداللہ للمسلمین من الثواب الجزیل فی الحرب الکافرین واعلموا ان الدار الباقیۃ خیر من الدارا لفانیۃ یقول اللہ عزوجل "یاایھا الذین امنوا صبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" فاذا اصبحتم غداًان شاء اللہ سالین فاغدوا الٰی قتال عدوکم مستبصرین وباللہ علی اعدائہ مستصرین واذا رائیتم الحرب قد شمرت عن ساقھا واضطرمت لظی علی ساقھا وحللت نارا علی رواقھا فتیمموا وطیسھا وجالد وارئیسھا عند احتلام خمسیھا تظفروابالغنم والکرامۃ فی دارالخلد والمقامۃ. [اسد الغابہ. ابن اثیر جزری جلد ۵ ص ۴۴۲]

"پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی، وحدہ لا شریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو، ایک باپ کے بھی بیٹے ہو، میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی، اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا، اور نہ تمہارے حسب ونسب میں داغ لگایا، جو ثواب عظیم خدا نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لیے رکھا ہے، تم اس کو خود جانتے ہو، خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے، خدائے پاک فرماتا ہے "مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو، خدا سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو"۔ کل جب خیریت سے تم انشاء اللہ صبح کرو، تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا، اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تم خاص آتش دان جنگ کی طرف رخ کرنا، اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ سے آگ ہو رہی ہے، تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا، خدا کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبٰی میں عزت پاؤ"۔

صبح جنگ چھڑتے ہی خنساء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے' اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑکر شہید ہوئے' خنساء کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا حضرت عمر آٹھ سو دینار خنساء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تنخواہ دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی' ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا' جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے جنگ بویب میں جس کو قادسیہ کی تمہید سمجھنا چاہیے' مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان رسد ہاتھ آ گیا' مسلمان عورتوں کو رزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے' کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا' اس لیے مثنیٰ نے جو فوج کا سپہ سالار تھا' یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا' یہ رسالہ گھوڑے دوڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا' عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں' عورتوں کے خیموں میں اسلحہ کہاں سے آتا' بچوں کو پیچھے کھڑا کیا' اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیں لے کر حملہ کے لیے کھڑی ہوگئیں' عمرو بن عبدالمسیح جو اس رسالہ کا افسر تھا' پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے' یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری سنائی' اور چیزیں ان کے سپرد کیں[1]

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔ دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا' مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے' میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے' دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ازدہ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں' عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کریں تو نہایت مناسب ہوتا' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا' اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں' دونوں طرف کے بہادر دل توڑ حملے کر رہے تھے' کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی

---

[1] تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۱۹۶۔

ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں، یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ فوج اور پہنچ گئی، غنیم کے بازو سست پڑ گئے، اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔[1]

عہد صدیقی میں اوّل ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی، چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے، مسلمان دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے، کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سروسامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ کر مل گئے تھے، یہ رائے قرار پائی کہ کل اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے، اپنی اپنی فوجیں لیے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالد فوج کے آگے آگے جا رہے تھے، اور حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے لیے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے، اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں، ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا، قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا، قیصر روم نے دمشق کے لیے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں اتفاق سے عین وقت پر وہ بھی آ پہنچیں، اور آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کا آگا روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہونی چاہیے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف کے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا، اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا "بہنو! کیا تمہاری غیرت یہ گوارا کر سکتی ہے کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آ جاؤ؟ کیا تم عرب کی

---

[1] تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۳۴۶۔

شجاعت وحمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ میرے نزدیک تو مر جانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے' ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگادی' خیموں کی چوبیں لے لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں' سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں' اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفار' ام ابان بنت عتبہ' سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں کچھ دیر کے لیے تو حیرت نے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرادیں' اور آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کردیا' دمشقیوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آگئے دمشقی فوج میں جو رمق جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی' باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہوگئی اور اسلامی فوج کی عنان عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ گبن صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت' عصمت' دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی' نیزہ بازی' تیراندازی میں نہایت ماہر تھیں' یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں''۔

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی' اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے' مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے' رومیوں کی جمعیت دو لاکھ سے زائد تھی' اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ یرموک میں ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا' ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں تو نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کا ٹڈی دل اس زور شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا' کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا' لخم وجذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے' میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے' رومیوں نے ان کی طرف رخ کیا' تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے' رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے' عورتوں کے

غصہ کی انتہاء نہ رہی' فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا' دفعتہً پیچھے ہٹ گیا' اب خواتین نے بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا' فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے' قریش کی عورتیں تلواریں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں' اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں [۱] حضرت معاویہ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں' اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں [۲] حضرت معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں [۳]

یامعشر العرب عضدوا الغلفان بسیوفکم. ''عربو! نامرد بن جاؤ نامرد''۔

ضرار بن ازور کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں:

یا ھارباً عن نسوۃ تقیات رمیت بالسھم و المنیات

''اے پاک دامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! تم موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو''

مؤرخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے' ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا [۴] جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑیں' محمد بن عمر واقدی ان میں سے بعض کے نام یہ بتاتا ہے' اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ، عبادہ بن صامت کی بیوی' خولہ بنت ثعلبہ' کعوب بنت مالک' سلمٰی بنت ہاشم' نعم بنت قناس' عفیرہ بنت عفارہ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جارہی تھی' ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا' خالد بن سعید نے جنہوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا' یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی' ایک پل کے قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا' جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے'

---

[۱] طبری ج ۶ ص ۲۳۴۔ [۲] طبری ج ۵ ص ۳۲۱۶۔ [۳] بلاذری ص ۱۴۱۔ [۴] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸۔

ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے' مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں' اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہوجانا پڑا' ام حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں' رومیوں کے سات آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے [۱]

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنا' ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال' دلیری' ثابت قدمی کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کرلی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے' خصوصاً ام حکیم' ہند' ام کثیر' اسماء' ام ابان' ام عمارہ' خولہ' لبنیٰ' عفیرہ' ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔

عتبہ بن غزوان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا' ازدہ بنت حارث جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی' عتبہ کی بیوی تھی' عتبہ جب اہل مدینۃ الفرات سے سرگرم تھا' تو اس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی اور جوش دلاتی تھی [۲]

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید' توما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے' تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحے لگا کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں' اہل دمشق گو محصور تھے' لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے' سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لیے ہوئے ارباب ثلثہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا' ام ابان کو تیراندازی میں بڑی قدرت تھی' ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی' مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھالی' عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی' توما غصے سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا' اور پھر اس زور کا رن پڑا کہ مسلمان

---

[۱] اسد الغابہ ص ۵۷۷۔ [۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۴۳' مطبوعہ یورپ۔

گھبرا اٹھے، رومیوں نے صلیب کی واپسی کے لیے لاکھ لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کار گر نہ ہوئی، جس نے ادھر کا رخ کیا، ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا، ''توما''، جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا، ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا، اس وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

اما ابان فاطلبی ثيارك	''ام ابان تو اپنا انتقام لے
صولي عليهم صولة المتدارك	اور ان پر پے در پے حملے کیے جا
قد ضج جمع القوم من نبالك	رومی تیرے تیروں سے چیخ اٹھے''۔

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التعویر مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب وغریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رومیوں کے منہ نہ پھیر دیتیں، ہند، خولہ، ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کیے، اسماء بنت ابی بکر گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں، اور برابر حضرت زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں [1]

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں، لڑتی تھیں، پرزور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقا، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار میں وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی [2]

۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی، قتیبہ کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا، عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں ضرب المثل تھا، اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں، بخارا کے ترک بھی بڑے سروسامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، قبیلہ ازد نے کہا پہلے تنہا ہم کو

---

[1] اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمر واقدی کی طرف منسوب ہیں مگر چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں ان کا مطلق ذکر نہیں ہے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

[2] عقد الفرید ج ۱ ص ۱۲۱ تا ۱۲۴۔

زور آزمائی کرنے دو' قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی' ازدی بڑھے اور نہایت بہادری سے حملے کیے' لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا' ترکوں نے اس ثابت قدمی سے جواب دیئے کہ ازدی ہٹتے ہٹتے قیام گاہ تک آ گئے' ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے مسلمانوں پر حملہ کردیا' عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہوا چاہتی ہے' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے' اور ایک عام شور برپا کردیا' مسلمانوں کی ہمت بندھی اور سنبھل گئے' اور پلٹ کر اس زور شور سے حملے کیے کہ ترک پھر نہ جم سکے' گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں' لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں' تو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے۔[1]

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت سے نہایت شہرت رکھتا ہے۔ جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں' بلکہ بارہا حکومتوں اور جابرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں بلند کی ہیں' گو طلب مساوات' آزادی بیان اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی' لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا' اور اب تک ہے سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے۔

۷۷ھ میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا' اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا شبیب خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا' غزالہ شبیب کی بیوی اور جہیزہ شبیب کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں' حجاج نے شبیب کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے' مگر ایک بھی میدان جنگ سے پھر کر نہ آیا' آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں' اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا۔

شبیب' موصل سے کوفہ چلا' لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر ''قصر الامارۃ'' میں اتر چکا تھا' غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی'

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۲۔

کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا' اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں' شبیب تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوگیا' اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی' پھر معمولی نماز نہیں پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی' اور دوسری رکعت میں آل عمران' جن سے بڑی کوئی سورہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ دو' دو اور اڑھائی' اڑھائی پاروں میں تمام ہوتی ہیں' غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنی فرودگاہ کو چلی گئی' اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی' جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ' بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا' شبیب کی جمعیت گو اس کے مقابلہ میں نہایت مختصر تھی' لیکن بہادری سے لڑی' حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلا رہا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی گئی' یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کرلیا' غزالہ اور جہیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے سے چند آدمی بھیجے' جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار کر گرادیا' شبیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر اہواز کی طرف چلا گیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جہیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی' لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شبیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے دریائے دجلہ میں گر پڑا' اور شبیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مرگیا' تو کسی نے اس کی ماں سے جا کر کہا کہ شبیب مارا گیا اس کی ماں نے کہا شبیب اور مارا جائے یہ ہو نہیں سکتا آخر جب دوسرے دن کہا گیا کہ نہیں شبیب ڈوب کر مرگیا تو اس نے کہا یہ ممکن ہے' اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہوگیا' حجاج اس کا مقابلہ نہ کرسکا اور بھاگ نکلا' حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا' ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔

اسد علی وفی الحروب نعامة　　فتخاء تصفر من صفیر الصافر

''حجاج مجھ پر تو شیر ہے' لیکن معرکوں میں بزدل اور سست شتر مرغ کی طرح بزدل ہوجاتا ہے''۔

هلا برزت الی غزالة فی الوغی　　بل کان قلبك فی جناح الطائر

---

[۱] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۳ تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے۔

حجاج! تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلہ میں کیوں نہ نکلا؟ اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔

۱۳۹ھ میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی، صالح کی بہنیں، اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں، انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائے گی تو ہم جہاد کریں گی، چنانچہ ایفائے نذر کے لیے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں[1]

۱۷۸ ہجری میں ہارون الرشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا، تو اس نے زرہ پہنی، سارے ہتھیار لگائے، اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا، تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور اس کی زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے۔

فیاشجر الخابور مالك مورقا　　　كانك لم لجزع على بن طريف

''اے خابور (نام مقام) کے درخت! تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے۔''

فتى لا يحب الزاد الا من التقى　　　ولا المال الا من قنا وسيوف

''ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا''۔

فقد ناك فقدان الشباب وليتنا　　　فدیناك من فتياننا بالوف

''اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے جس طرح جوانی کو کوئی کھو دے، کاش ہم

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۹۷۔

اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے''

علیـه سـلام الـلـه وقفـا فـانني   اری الـمـوت وقاعاً بکل شریف

''ولید پر خدا کی رحمت ہو' موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے''

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پر درد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں' ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے' ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی خنساء کے ہم پلہ ہیں' اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے' لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے' ابن خلدون نے اس واقعہ کو تو ذکر کیا ہے لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے' بہر حال ہم کو کام سے غرض ہے' نام کچھ بھی ہو۔

قرون وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا' بلکہ عیسائی عورتوں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں' اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں' عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لیے جو جوش پھیلا تھا' عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں' اسامہ ایک مسلمان امیر تھا' جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا تھا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اس کے ساتھ تھیں' دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں' اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں [1]

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا' عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے پڑے تھے' جب وہ تھک گئے' اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ ورسم پیدا ہوگئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہیے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر اور کچھ مسلمان بچے ادھر سے نکلے' دیر تک مقابلہ رہا' آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا [2]

---

[1] ابن خلکان ج ا ص ۲۲۳ تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے۔ [2] الفتح القبسی فی الفتح القدسی۔

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا، لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں، جن کی بہادری، شجاعت، اور اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔

سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جس نے اسلامی خواتین میں گوکم سلطنت کی مگر سب سے بہتر کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھا ہے کہ "رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔" شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے، تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں، ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہوگیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے تابڑتوڑ وار کیے کہ شیر نیم جان ہوکر گر پڑا۔

تخت حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے ایسا رعب وداب قائم کیا کہ اعیان دولت کانپتے تھے، بعض امراء نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہوگئے، اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لیے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا، اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے، لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے، لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی، ۶۳۷ھ میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہوگئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معزالدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سرے سے ایک لشکر کو ترتیب دے کر دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لیے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی۔[1]

---

[1] تاریخ اکبری قلمی، از نظام الدین ہروی، ذکر سلطنت رضیہ۔

اس سلسلہ میں سلطان علاؤ الدین کے عہد کا ایک عجیب وغریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے، شاہان ہند کے مرقع میں علاؤ الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے، جس کے چہرے سے اولوالعزمی، بلند خیالی، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد وخوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، اور نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تھیں، اور نہ ایران وروس کی طاقتیں دبا سکی تھیں، تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا، اس نے ایک دن بر سبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے، قلعہ جالور کا راجہ نیر دیو دربار میں حاضر تھا، اس نے نہایت بددماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا، اور مہلت دی کہ راجہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لیے ہوئے برق وباد کی طرح جالور پہنچی، راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا، گل بہشت کا لخت جگر شاہین، راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا۔[1]

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب وغریب انقلاب برپا ہوا، امیر تیمور کیا تھا ترکستان کی حدود سے ایک آندھی اٹھی تھی، جس

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۶

سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی، دمشق و عرب متزلزل ہوگیا، تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی، اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی، گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سوا سو برس کے بعد حاصل ہوا، لیکن دراصل اس مدت میں سیدوں اور لودھیوں کا دور حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے سے مزین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستان لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں، اور معرکوں میں گھستی تھیں، بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیر مارتی تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھیں، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا؟[1]

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کر دو؟ بابر نامہ، ہمایوں نامہ، تزک جہانگیری دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیر مارتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں، غرض فن سپہ گری سے خوب واقف تھیں، تزک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند، فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نور جہاں، تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی، اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو جنگل میں جاتی تھی، اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر تزک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:

ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا، ایک ہاتھی پر رستم خان اور میں تھا، اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی، سامنے جھاڑی میں شیر تھا، ہاتھی شیر کی بو پا کر کانپنے لگتا ہے، اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا، اور پھر عماری میں بیٹھ کر، نہایت مشکل ہے، تیر اندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا

---

[1] عجائب المقدور ابن عرب شاہ ص ۲۳۳۔

کر جاتے ہیں، لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا[1]

ایک مرتبہ نور جہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی' ہاتھی پر سوار تھی' سامنے سے چار شیر نکلے، لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا' اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا' جہانگیر نہایت خوش ہوا' اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے' اس موقع پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

نور جہاں گرچہ بصورت زن است ۔۔۔ درصف مرداں ''زن شیر افگن'' است

نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر افگن کی بیوی تھی' اس لیے ''زن شیر افگن'' کی ترکیب نے اس شعر کو بامزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے' آصف خاں کی کوشش تھی کہ مہابت خاں ذلیل ہو' جہانگیر دریائے بھٹ کے قریب خیمہ زن تھا' آصف خاں ایک دن پہلے ہی فوج سمیت دریا کے اس پار چلا گیا تھا' مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا' نور جہاں کو موقع ملا تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی' اور وہاں اس نے ان امراء و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا' انہوں نے بالاتفاق کہا مناسب یہ ہے کہ کل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو' بادشاہ کی قدم بوسی کر لے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی' مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلا دیا تھا' سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیئے' نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی' نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی' ابھی فوج دریا ہی میں تھی کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا' ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی' عجیب ابتری پھیل گئی' نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو؟ تم بھی جواب دو' اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا' نور

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۷۹

جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی‘ یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا‘ اور شہزادی کے بازو میں آ کر لگا‘ تمام کپڑے خون میں تر بہ تر ہو گئے‘ نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا‘ نور جہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے‘ وہ بھی کام آئے‘ نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا‘ آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرودگاہ پہنچ سکی‘ اگر ہاتھی نہ سنبھلا رہتا تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی[1]

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے‘ گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا‘ اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا‘ گو ایک معمولی عورت تھی‘ لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا کہ جب یہ سوار ہو کر نکلتی تھی تو سرداران فوج و امرائے دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے‘ نظام الملک ان دونوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی‘ نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے؟ حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی‘ اگر جیتی جیتی‘ اور ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی‘ راستہ بھر اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتی گئی‘ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا‘ تو حمید بیگم خود ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی‘ اور پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں کھڑی رہی‘ اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل کا شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ:

”نقاب برقامت رعنا افگندہ براسب سواری شد و خنجر و شمشیر مرصع بکمر می بست‘

---

[1] تزک جہانگیری ص ۴۰۴، ۴۰۵۔

بعد از انکہ تلاقی صفین و محاذات فئتین اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرات دلیرانہ بالشکر عادل خوانی مصاف دارہ سپاہ و سرداران رابقتل وحرب وضرب ترغیب وتحریص نمودہ قدم مردانگی رادرآں بحر و غاولجۂ ہیجان چوں کوہ استوار برجاداشت' وآں غنیم ودشمن عظیم راشکست فاش دادہ جمیع فیلان وتوپخانہ درابدست آوردہ سالماو غانما مراجعت برافروخت"۔

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے:

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکزی شہر بیجاپور تھا' پونچی خاتون اس کے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی' یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی' اس کا نابالغ فرزند اسماعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا' کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا' گو نام اسماعیل عادل شاہ کا تھا' لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا' اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو بھی کیوں نہ مٹا دیا جائے؟

پونچی خاتون کمال خاں کے اس ارادہ سے غافل نہ تھی' اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی' لیکن وہ کیا کرسکتی تھی؟ تمام اعیان دربار و سرداران فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے' پونچی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ یا کمال خاں معدوم کردیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو' اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک کو جو اسماعیل عادل شاہ کا کوکہ تھا' کل مراتب سمجھا بجھا کر کمال خاں کے پاس بھیجا' یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کردیا' یوسف گرفتار ہوگیا' اور آخر وہ بھی وہیں ڈھیر ہوگیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونچی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ' تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی' صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے' ماں نے کہا خبردار کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے' لوگوں سے جا کر کہہ کہ کمال خاں کہتا ہے کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے۔

پونچی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے' قلعہ میں اس وقت

کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل اور تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے، پونچی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں، ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے، اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو، وہ قلعہ سے نکل جائے، تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفران نعمت کی ضرور سزا ملے گی، ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونچی خاتون کا ساتھ دیتا؟ تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو، اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف ۱۷ سپاہیوں نے پونچی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونچی خاتون نے یہ بھی بڑی عقل مندی کی کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونچی خاتون نے پہلے چاروں طرف سے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا، اور انہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونچی خاتون، دلشاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں، صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونچی خاتون، دلشاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دھر لیا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توپچیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان توپچیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیئے، صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھرا کہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونچی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آ گئیں تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے تو بن جائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی ادھر ادھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم کی جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کو ہمت ہوئی اور پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا، عورتوں نے

انگلی تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھتی رہیں، صفدر خاں چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے کہ سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ تھم سکے۔[1]

دو تین سو آدمیوں سے فوج کی فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سوا سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دارالحکومت شہر احمد نگر تھا، اس کی ایک شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا، وہ قابل حیرت امر ہے، چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی، حسین نظام شاہ بحری (احمد نگری) اس کا باپ تھا، اور علی عادل شاہ بیجا پوری اس کا شوہر تھا علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجا پور سے احمد نگر چلی آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی، شہزادہ مراد اور خانخاناں اس مہم پر بھیجے گئے، اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کش کر دی، لیکن اس معاملہ کے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہو گیا، اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخاناں موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لیے ہوئے پڑے تھے، اسی اثنا میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا منجھو خاں وکیل سلطنت اور آہنگ خاں اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا ہوا، ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنالیا، آخر آپس کا نفاق بڑھا، اور خونریزیوں تک نوبت پہنچی، منجھو خاں نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے، آپ ادھر کا رخ کیجیے، میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالہ کر دوں گا، مراد چل کھڑا ہوا، خانخاناں بھی شاہ رخ مرزا والی بدخشاں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگا، راجہ رام چندر، اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا، جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی، کیونکہ اس اثنا میں

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۶ اور ۱۷۔

منجھو خاں تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو چکا تھا' ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے' اس نے عزم کرلیا کہ جس طرح ہوگا سلطنت کو بچاؤں گی' اس نے خود پہلے اپنے بعض امراء کو قلعہ سے علیحدہ کردیا' اور بعض کو توڑ جوڑ کر کے ملا لیا' قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں' اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی' شاہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی' چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں' تمام دن مراد کوشش کرتا رہا کہ قلعہ تک پہنچ جائے' مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا' شام کو تھک کر خود ہٹ گیا' دوسرے دن شاہزادہ مراد' شاہ رخ مرزا' خانخاناں' شہباز خاں' راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا' بعض نظام شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا' مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا' شاہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑے رہے' مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے' قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کیے' منجھو خاں' اخلاص خاں' آہنگ خاں' امرائے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہوگئے' غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہوگئی' شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا تو گھبرا گیا' تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی' آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے' یوں لڑ کر قلعہ میں گھس جانا تو ممکن نہ تھا' تین مہینے میں یہاں سے قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئیں' اور ان میں بارود بچھا دی گئی کہ آگ لگا کر اڑا دیا جائے گا۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی' اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کردیا' شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے' خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے' دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام امراء اور فوج کو

لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا' کہ ادھر بارود سے قلعہ اڑا اور ادھر پہنچا' چاند خاتون اس وقت تک دو سرنگیں بھروا چکی تھی' اور تیسری کھودی جا رہی تھی کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا' اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکا ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا یا بجلی ٹوٹ پڑی' اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی' سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا' قیامت ہوگئی' لوگوں کے دل بیٹھ گئے کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا' سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے' غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو اسی وقت گھوڑے پر سوار' مسلح ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی' شہزادہ اس فکر میں تھا کہ باقی سرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا جائے' لیکن وہ سرنگیں ہوں بھی تو چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں' تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا' مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کیے' شہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا' مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا' اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی' شام کو شہزادہ ناکام پلٹا' رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی' صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی' موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی' استقلال اور بہادری پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہوگئی' اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔

اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل چھوٹ گیا' امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی ناچار صلح کرنی چاہی' اول تو چاند سلطان نے انکار کیا' کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں' تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے' لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند پڑے گھبرا گئے تھے' اس لیے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی' اور حسب قرارداد برار کا صوبہ

شاہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا۔[1]

غور کرو! کیا اس سے بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہو سکتی ہے؟ سلطنت کی بنیاد کمزور امراء میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامان رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظت قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے، ایسی حالت میں غنیم کو ہٹا کر قلعہ کو بچا لینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آ کر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشۂ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطہ اقتدار سے نکل کر، دولت فاطمیہ مصر کے قبضہ میں چلا گیا، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خزار ہے، وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا، جو آل صلیح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی و مبلغ پہنچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ کر اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلیحی تھا، علی نے جوان ہو کر حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں کے پروبال پیدا کیے، علی کی ایک چچازاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرت الٰہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولیٰ تیار کر دیا، اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

علی صلیحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے، اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعتہً دشمنوں نے چھاپا مارا صلیحی کے ساتھ آدمی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۱۹۹۔

ہاتھوں گرفتار ہوگئی، اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی، اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آ پہنچا، اور اسماء آزاد تھی، جب تک وہ زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی تھی، ۴۷۹ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتونان اسلام پل کر جوان ہوئیں، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ۔ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ وار گلوخلاصی حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا، اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر مکرم عیاش اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کیے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تدبیروں دونوں سے زیر کیا، دولت فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے ان میں اس کے لیے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کیے جاتے تھے۔[1]

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سینکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق الٹنے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے متعلق حالات اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتین اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس ہے کہ دوسرے ضروری کاموں کی مصروفیات مزید تفصیل اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند و برتر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

---

[1] یمن کے یہ تمام واقعات تاریخ عمارۂ یمنی، مطبوعہ انڈیا آفس لندن میں مذکور ہیں۔

آغاز اسلام میں متعدد مسلمان خواتین نے اپنے دین وایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں مگر کبھی جادۂ حق سے روگردانی نہیں کی، سمیہؓ حضرت عمار بن یاسر مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہ جانبر نہ ہوسکیں۔

ام فکہیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ''میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں'' وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ''عمر! اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا''۔

زنیرہ رضی اللہ عنہا ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، نہدیہ رضی اللہ عنہا اور ام عبیس رضی اللہ عنہا یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں [1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنو امیہ کے مقابلہ میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سروسامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کردیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیر گھبرا کر اپنی ماں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو ''میں حجاج سے صلح کرلوں؟'' بہادر ماں نے جواب دیا:

فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے؟''

ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سج کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں، ماں نے جواب دیا:

''بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، تو اس کو کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی''

اور اس طرح ماں نے بیٹے کو مقتل میں بھیجا، اور حق وصداقت کی قربان گاہ پر اپنے دلبند کو نثار کر دیا۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسر راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا جب ادھر سے گزر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی، کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی، لیکن وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں، اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا:

''کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اترا نہیں؟''[1]

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت، اور بے مثال صبر واستقلال کا نمونہ کہاں نظر آ سکتا ہے؟

قارئین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں جب غرناطہ کا آخری سلطان ابوعبداللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا، اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۶۰۰ برس حکومت کی، آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں، اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہیں کہ:

''فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کے لیے عورتوں کی طرح خوب رو لو''[2]

---

[1] طبری۔

[2] لین پول کی ''مسلمانان اندلس''۔

اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے۔

یہ گزشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا' اب سوال یہ ہے کہ موجودہ خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لیے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟
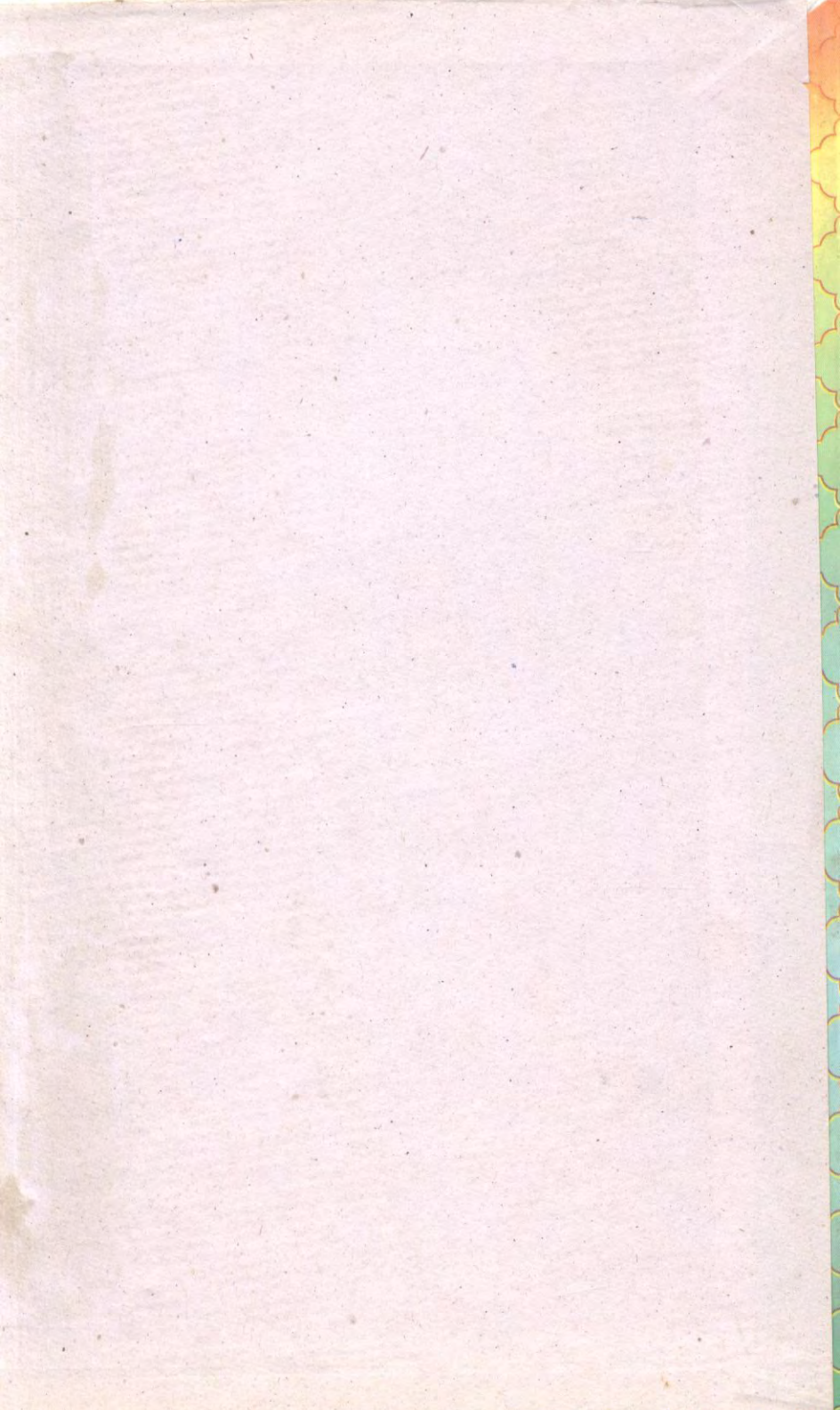
ادارہ
اسلامی کتب خانہ
کی دیگر مطبوعات
سیرت عائشہ
تالیف
علامہ سید سلیمان ندوی
اسلامی کتب خانہ لاہور
تحفہ خواتین
اسلامی کتب خانہ
نشر الطیب
Islami Kutab Khana